قائدِ اعظم رحمتہ اللہ علیہ

ابتدائی تیس سال



رضوان احمد

عنوانات



تصاویر



دستاویزات

O

پیش لفظ

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قومی و سیاسی زندگی کے بارے میں تو کئی کتابیں اردو میں اور انگریزی میں بھی لکھی گئی ہیں اور ابھی اور لکھی جائیں گی مگر ان کی ابتدائی زندگی کا تذکرہ سرسری ہوا ہے۔ کسی نے اس کی طرف پوری توجہ نہیں دی۔ یہ کام مسٹر رضوان احمد نے کیا۔ انہوں نے قائداعظمؒ کی ابتدائی زندگی کی چھان بین خوب کی اور بہت کام کی چیزیں مہیا کر دی ہیں۔ اس میں صرف بھائی جان ہی کے حالات نہیں ہیں' ہمارے بابا اور خاندان کے حالات بھی جمع ہیں۔ بابا کی ابتدائی زندگی' کاروبار' شادی' گھریلو زندگی' علمی اور تجارتی مشاغل' کاروباری اور مالی حیثیت' مقدمات' دادیسالی' نانیسالی شجرۂ نسب اور ماں کا حال' ایک ایک چیز ڈھونڈ ڈھونڈ کے فراہم کی ہے۔ اس میں کاٹھیاواڑ اور کراچی کے بھی تاریخی حالات ہیں۔

قائداعظمؒ کے ابتدائی تیس سال کے تذکرے میں بہت سے انکشافات ہیں اور جو باتیں پیش کی ہیں ان میں بیشتر کے دستاویزی ثبوت بھی مہیا کیے ہیں' جن سے ان تمام کہانیوں کی تردید ہو جاتی ہے جو تحریروں میں آ گئی ہیں۔ بہت سی باتیں مسٹر رضوان احمد نے مجھ سے بھی پوچھی ہیں۔ وہ کئی سال سے چیزیں تلاش کر رہے تھے اور برابر مجھ سے بھی پوچھتے رہتے تھے۔ کتنی باتیں تو ایسی تھیں جو ان کے پوچھنے سے مجھے یاد آتی تھیں اور اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سب کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔

میں دل سے ان کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ ان کی عمر دراز ہو اور ان کے ریسرچ کا سلسلہ برابر جاری رہے تاکہ قوم کے سامنے صحیح اور مفید چیزیں اسی طرح آتی رہیں۔ اس کتاب کے مسودے کو اپنے سیکرٹری سے پڑھوا کر سنا' مجھے بے انتہا خوشی ہوئی ہے اور یقین ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کتاب کو پڑھ کر میری طرح ہی خوش ہوں گے اور اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ قائداعظمؒ کی صد سالہ سالگرہ کے موقع پر' قائداعظمؒ کے ابتدائی تیس سال کے حالاتِ زندگی پر مشتمل یہ تاریخی مجموعہ جو ہمارے ہاتھوں تک پہنچا' وہ اس سال کا بیش قیمت تحفہ ہے۔

شیریں جناح

شیریں جناح
قصر فاطمہ جناح۔ کلفٹن۔ کراچی

مقدمہ

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے 1906ء میں برِعظیم کی سیاسی زندگی میں قدم رکھا۔ پہلی مرتبہ وہ اسی سال پبلک پلیٹ فارم پر نمایاں ہوئے اور 1906ء سے 1947ء تک انہوں نے مسلسل جدوجہد کی۔ یہ چالیس سال بڑے نشیب و فراز اور کش مکش و اضطراب کے ہیں۔ اس عہد میں وہ زمانے کے بڑے سرد گرم سے گزرے۔ مسلمانوں کی پراگندگی و پژمردگی' ملکی و غیر ملکی حریفوں کی سازباز' برطانوی حکومت کی تدبیریں' ہندو کانگریس کی ترکیبیں' بلوے اور فسادات' حملے اور اعتراضات۔ قائداعظمؒ نے ان سب کا مقابلہ کیا۔ ان کی اعلیٰ بصیرت اور غیر معمولی قائدانہ صلاحیت نے پراگندہ حال مسلمانوں کو ایک لشکر کی صورت میں ڈھالا اور اتحاد کی قوت سے حریفوں کو زیر کیا۔ سیاسی معرکے سر کئے۔ نہایت ہی سنگلاخ و ناہموار راستوں کو ہموار کیا اور آخرکار اپنی ملت کو اس منزل پر پہنچادیا جو اپنے لئے اس نے مقرر کی تھی۔ 14 اگست 1947ء کو پاکستان قائم ہوگیا۔ دنیا کے نقشے پر ایک نئی اسلامی مملکت کا سبز رنگ ابھر آیا جس کے وہ اولین گورنر جنرل ہوئے اور کوئی تیرہ مہینے تک اپنی قائم کردہ مملکت کو مستحکم کرنے میں شب و روز منہمک رہے' یہاں تک کہ 11 ستمبر 1948ء کو اپنا مشن پورا کرکے آخری سانس لی اور اس دنیائے فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف کوچ کیا۔

برطانوی مدبرین نے جس سانچے میں برِعظیم کو ڈھالنے کا منصوبہ بنایا تھا اور جس انداز سے وہ اس کی تشکیل کی مہم میں مشغول تھے' مسلمانوں کو جس اہتمام سے انہوں نے "اقلیت" کا نام دیا تھا اور "اکثریت" کی ایک نئی زنجیر ان کو پہنانے کی تدبیریں کر رہے تھے' ان سب کو دیکھتے ہوئے کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ مسلمان اس سرزمین میں پھر کبھی ابھر سکتے ہیں۔ لیکن قائداعظمؒ کے تدبر' تحمل' فراست اور آئینی مہارت نے اس برطانوی نقشے کو الٹ کے رکھ دیا اور اسی سرزمین میں مسلمانوں کو پھر ایک عظیم مملکت کا مالک بنادیا۔

یہ قائداعظمؒ کا زبردست کارنامہ ہے' جس کا اعتراف حلیف اور حریف' دوست اور دشمن' مسلم اور غیر مسلم' ملکی اور غیر ملکی' سب نے یکساں کیا ہے۔ قائداعظمؒ کی اس شاندار کامیابی نے جہاں مخالفین کو چراغ پا کیا وہیں عالم اسلام میں ایک نئی روح پھونک دی۔ قائداعظمؒ صرف مسلمانوں کے ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے محکوموں اور مظلوموں کے محبوب اور مثالی رہنما ہو گئے۔

ہم پاکستانیوں کو اپنے قائداعظمؒ سے جو قلبی وابستگی اور والہانہ محبت ہے اور جو ہونی چاہئے' اس کے تقاضے بالکل واضح ہیں۔ ان کی اعلیٰ قیادت' بے داغ کردار' بے لوث خدمات اور شاندار کارنامے کی ولولہ انگیز یادیں حرارتِ زندگی بخشتی ہیں اور ہر منزل و مقام پر حیرت و مسرت کے عالم میں ہمارا دل ہم سے

سرگوشیاں کرتا ہے اور پوچھتا ہے کہ ایسے ناساعد حالات میں' جب ایک زمانہ مسلمانوں کی دشمنی پر کمربستہ تھا' مسلمان اپنی پراگندگی و انتشار کی بدولت اغیار کے نرغے میں تھے اور ہولناک طوفان تباہی ان کی طرف تیزی سے بڑھ رہا تھا تو ایسے میں قائداعظمؒ نے آخر کیا کیا۔ مِلّت کو اس طوفان سے کیسے بچایا اور صاحب اقتدار کیسے بنا دیا۔ ان کی تو ایک ایک ادا گوشۂ دل میں محفوظ کرنے کی ہے اور ایک ایک بات سینے سے لگائے رکھنے کی ہے۔ ان کی زندگی کی تفصیلات کہاں ہیں' ان کا تو ایک ایک لمحہ نوجوانوں کے لئے اور ہر دور کے نوجوانوں کے لئے سبق آموز ہے۔

میرے دل کی یہی کیفیت تھی' جب میں نے قائداعظمؒ کی زندگی کا تفصیلی مطالعہ شروع کیا تھا۔ قائداعظمؒ کے بارے میں بے شمار مضامین لکھے گئے ہیں۔ خاصی تعداد میں کتابیں بھی اردو اور انگریزی زبانوں میں منظر عام پر آئی ہیں۔ تحریک پاکستان پر بھی بہت مضامین اور کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ لکھنے والوں میں قائداعظمؒ اور تحریک پاکستان کے موافقین بھی ہیں اور مخالفین بھی' ملکی بھی ہیں غیر ملکی بھی۔ پھر یہ دور وہ ہے کہ مصنفین بڑی چابک دستی سے اپنی بات آپ کے دل میں ڈال کے آگے بڑھ جانے کے عادی ہیں۔ ان سب کا مطالعہ کیجئے اور مطالعہ کے وقت اپنے دل و دماغ کو حاضر بھی رکھئے تو آپ کو بڑی الجھن کا سامنا ہوگا۔ عجیب عجیب خیالات آپ کے دل میں آئیں گے بلکہ بعض باتیں تو ایسی بھی نظر سے گزریں گی جو قائداعظمؒ کی شخصیت و کردار سے شاید ہی کوئی مناسبت رکھتی ہوں اور آپ مجبور ہو جائیں گے کہ تمام حالات و واقعات کا جائزہ خود لیں اور چھان بین بھی ہر بات کی خود کریں۔

ملکی سوانح نگاروں نے محنت تو بڑی کی ہے اور حالات و واقعات کا سرمایہ بھی بہت مہیا کر دیا ہے' لیکن ان کی کتابوں میں بھی کسی نہ کسی طرح کچھ باتیں ایسی سٹ آئی ہیں جو مدت دراز سے زبانوں پر تھیں' یا تحریروں میں بلا تحقیق چلی آتی تھیں۔ اس کے علاوہ قائداعظمؒ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں معلومات ان کتابوں میں اتنی کم تھیں کہ نہ ہونے کے برابر تھیں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ تلاش و جستجو خود ہی کروں۔ میں اسی کراچی میں تھا جہاں قائداعظمؒ پیدا ہوئے تھے۔ یہاں اب بھی کچھ ایسے لوگ موجود تھے' جن سے ابتدائی زندگی کے بارے میں کچھ نہ کچھ حالات اور کاغذات مل سکتے تھے۔ ان کے خاندان' خاندانی کاروبار' ان کے بچپن اور تعلیم وغیرہ کے متعلق معلومات مہیا ہو سکتی تھیں۔ کاش قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی اس طرف توجہ کی جاتی تو یقیناً بہت سے وہ کاغذات بھی' جو زمانے کی دستبرد کی نذر ہو گئے' محفوظ ہو جاتے۔ بہرحال میں نے اپنی تلاش و جستجو کے ساتھ ہی ہر کتاب کی بیان کردہ باتوں کی چھان بین بھی شروع کر دی اور سالہاسال اس میں صرف کئے۔ یہاں کی قدیم درسگاہوں کی خاک چھانی' ان کے پرانے رجسٹروں کی ورق گردانی کی۔ کراچی کارپوریشن اور سٹی سروے کے ریکارڈ روم میں پہنچا۔ اس کے کاغذات اور شہر کے نقشے دیکھے۔ عدالتی ریکارڈ کا اندوختہ بھی بڑی اہم چیز ہے۔ میں نے وہاں تک پہنچنے کی کوشش کی۔ تحریکِ پاکستان کے بزرگ قائدین کے پاس جا کے بیٹھا۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ پھر محترمہ شیریں جناح کراچی تشریف

لے آئیں تو ان سے بھی معلومات حاصل کرتا رہا۔ ایک ایک بات کرید کرید کے ان سے پوچھی اور بعض اوقات تو ایک ہی بات کئی کئی دن کے وقفے سے دریافت کی۔ تب جا کر کہیں یہ قیمتی ذخیرہ فراہم ہوا ہے' جس کا ایک حصہ "قائداعظمؒ - ابتدائی تیس سال" کے عنوان سے قائداعظمؒ کی صد سالہ سالگرہ کے موقع پر ملک و مِلّت کی نذر ہے۔

ایک مدت کی دوڑ دھوپ نے یہ بتایا کہ آدمی کسی میدان میں بھی کمر باندھ کے اتر جائے تو وہاں سے خالی ہاتھ کبھی نہیں پلٹتا۔ آدمی ڈھونڈتا ہے تو ضرور پاتا ہے۔ میں نے بھی اسی طرح پایا اور قدیم ترین معلومات کا بڑا ذخیرہ پایا۔ اس ذخیرے نے مجھے متعدد سوانح نگاروں سے اختلاف کرنے پر بھی مجبور کیا' جن میں بعض میرے محترم بزرگ بھی ہیں۔ لیکن غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ جس کسی سے بھی کوئی اختلاف ہوا ہے' وہ حقیقتاً میں نے نہیں کیا' بلکہ دستاویزوں نے کیا ہے۔ مثال کے طور پر 1918ء سے سب لکھتے چلے آتے ہیں کہ "قائداعظمؒ 1892ء میں لندن گئے تھے اور دادا بھائی نوروجی کی انتخابی مہم میں حصہ لیا تھا"۔ دستاویزیں کہتی ہیں کہ غلط۔ وہ 1892ء میں نہیں 1893ء میں لندن گئے تھے۔ لہٰذا دادا بھائی نوروجی کی انتخابی مہم میں حصہ لینے کا سرے سے کوئی امکان نہیں ہے۔ اسی طرح ایک مصنف نے یہ لکھا کہ "قائداعظمؒ غریب ماں باپ کے بیٹے تھے۔" لیکن قائداعظمؒ کے والد جناح پونجاؒ کے سلسلے کی جو دستاویزیں برآمد ہوئیں' وہ کہتی ہیں کہ مصنف کا یہ بیان یکسر غلط ہے۔ وہ کراچی کے معزز و محترم اور دولت مند تاجر کے بیٹے تھے۔ اسی طرح بعض کتابوں میں واقعات کا الجھاؤ ہے' تضاد ہے' کہانیاں ہیں' خیال آرائیاں ہیں اور یہ بھی میں نہیں کہتا' دستاویزیں کہتی ہیں۔ مجھے کسی کتاب پر تنقید و تبصرہ کرنا نہیں ہے' صرف علمی و تحقیقی نظر ڈالنا اور دستاویزیں پیش کر دینا ہیں۔ اگرچہ تبصرہ و تنقید ایسی چیز ہے جس سے لکھنے والوں کے ذہن و فکر کو جلا ملتی ہے اور زبان و قلم میں نکھار آتا ہے۔

چُوک بہرحال انسان ہی سے ہوتی ہے۔ ان فراہم شدہ دستاویزوں نے جہاں دوسرے اہلِ قلم کی گرفت کی' وہیں خود میں بھی ان کی زد میں آیا۔ دستاویزوں نے میری بھی گرفت کی۔ میں نے بھی اپنے پچھلے دور کے مضامین میں محترم مصنفین سے متاثر ہو کر وہی کچھ لکھا تھا' جو انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا تھا اور یوں جب وہ غلط ٹھہرے تو میں بھی غلط ٹھہرا۔ اب بھی اگر اس محنت و جانفشانی کے باوجود کوئی چُوک مجھ سے کہیں ہو گئی ہو اور اس کی تصحیح میں کسی گوشے سے کوئی دستاویز برآمد ہو جائے تو اس سے بڑی خوشی مجھے اور کوئی نہ ہوگی۔ میرا مقصد حالات و واقعات کی تصحیح اور حقائق کی توثیق کے سوا اور کچھ نہیں۔

نیز میں نے کوشش یہ کی ہے کہ قائداعظمؒ کی شخصیت کا کوئی مُرَقّع اپنی طرف سے بنا کے پیش نہ کروں' بلکہ صحیح تر حالات و واقعات ان کی جو تصویر خود کھینچ دیں وہی سامنے آئے۔ ریسرچ کا بنیادی اصول بھی یہی ہے کہ پہلے سے کوئی رائے قائم کر کے قلم نہ اٹھایا جائے۔

یہ کتاب قائداعظمؒ کے ابتدائی تیس سال کے حالات کا مجموعہ ہے۔ یہ تیس سال 1876ء سے 1906ء

تک پورے ہوتے ہیں۔ اس میں ان کا خاندان' اس کا پس منظر' ان کی والدہ کا خاندان' ان کے والد کے کاروبار کی تفصیلات اور نجی واقعات' قائداعظمؒ کی ابتدائی تعلیم' ان کی اپنی تجارتی فرم اور ان کا تجارتی سفر اور دوسرے بہت سے متعلق واقعات' مستند حوالوں اور دستاویزی شہادتوں کے ساتھ یکجا ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا رہا ہے کہ 1906ء میں قائداعظمؒ نے کلکتے کے اجلاس کانگریس میں "وقف علی الاولاد" کے مسئلہ پر تقریر کی تھی۔ اب یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ وقف علی الاولاد کے علاوہ قومی تعلیم اور حکومت خود اختیاری کے مسائل پر بھی اسی سال اور اسی اجلاس میں تقریریں کی تھیں۔ کتاب آپ کے سامنے ہے' پڑھیئے اور اس پر تنقید کیجئے۔

میں اس کتاب کی تیاری اور ذخیرۂ معلومات کے حصول میں سب سے پہلے محترمہ شیریں جناح کا ممنون ہوں کہ ان کی بزرگانہ شفقت نے قائداعظمؒ کے خاندانی حالات اور گھریلو زندگی کی معلومات زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کا موقع بخشا۔ پھر محترمہ زلیخا سید کا بہت ممنون ہوں' جن کی مہربانی نے خاندانی روایات کے مختلف اہم گوشے مجھ پر بے نقاب کئے۔ محترمہ زلیخا سید قائداعظمؒ کے ننہالی شجرے کی ایک شاخ ہیں۔ ننہالی شجرہ انہی کی عنایت ہے۔ اسی طرح قائداعظمؒ کے پھوپھا "جمال" کے سگے بھائی کے پوتے جناب اکبر علی پیشھا بھائی اور جناح پونجاہؒ کے دوست نور محمد لالن سیٹھ کے پوتے جناب عاشق علی لالن کا شکریہ ادا کرنا بھی میرا فرض ہے جنہوں نے خاندانی حالات اور ان کی چند دستاویزیں فراہم کیں۔ نیز جناب محمد علی گھانچی والجی کا ممنون ہوں کہ انہوں نے بھی ضروری معلومات مجھے مہیا کیں' جن میں دادیہالی شجرہ بھی ہے۔ یہ سب قائداعظمؒ کے خاندان سے قریبی تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ ان کے علاوہ ان تمام حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں' جن کے توسط سے چھوٹی سے چھوٹی معلومات بھی مجھے حاصل ہوئیں۔

اور مجھے محترمہ فاطمہ دختر احمد علی جناح کا بھی دلی شکریہ ادا کرنا ہے' جنہوں نے سوئزرلینڈ سے قائداعظمؒ کے والد بزرگوار جناح پونجاہؒ کی تصویر ارسال کی جو پہلی مرتبہ آپ کے سامنے آئی۔ یہ ایک نادر تحفہ اس اہم سال کا ہے۔

یہاں مجھے خاص طور پر سندھ ہائی کورٹ اور سٹی سروے کراچی کی کرم فرمائی کا تذکرہ بھی کرنا ہے کہ جن کی توجہ کے بغیر مجھے قدیم مقدمات کی مسلیں دیکھنے کا موقع نہ ملتا جو قائداعظمؒ کے خاندانی حالات اور کاروباری مقدمات کی قیمتی دستاویزیں ہیں۔

گلشن اقبال' کراچی

رضوان احمد

25/دسمبر1976ء

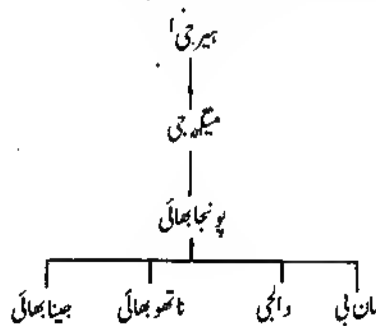
بسم اللہ الرحمن الرحیم

قائداعظمؒ کا شجرۂ نسب

قیام پاکستان سے تقریباً چون سال قبل کی بات ہے کہ کراچی کے ایک معزز تاجر گھرانے کا نوخیز لڑکا محمد علی جناح بھائی 1893ء میں سات سمندر پار تجارتی سفر پر روانہ ہوا۔ چھٹی جماعت کے اس طالب علم کا یہ سفر اچانک نہیں بلکہ تقریباً ایک سال کی تاخیر سے ہوا۔ اس دوران محمد علی کے والد جناح پونجاہؒ نے اپنے بیٹے کو انگریزی ماحول سے مانوس کرنے کے لئے چرچ مشن اسکول میں تعلیم دلانے کے ساتھ ایک تجارتی ادارہ کا مالک بھی بنا دیا تھا اور دور دراز کے غیر ملکی سفر' وہاں کے طویل قیام کے پیش نظر اور بچپن کی شادی کے رواج کے مطابق ایک نو سالہ لڑکی سے رشتہ ازدواج میں بھی منسلک کر دیا تھا۔

اس تاریخی سفر اور تاریخ ساز مسافر کے پس منظر اور پیش منظر سے متعلق بہت سے افسانے اور کہانیاں بیان کی جاتی ہیں۔ آیئے ہم بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے خاندان' اس کے پس منظر اور قائدؒ کی ابتدائی زندگی کے حالات اور متعلقہ واقعات کا مستند حوالوں اور دستاویزی شہادتوں کی روشنی میں مطالعہ کریں۔

قائداعظمؒ کے دادا کے دادا ہیر جی تھے۔ ان کے بیٹے کا نام میگھ جی اور میگھ جی کے بیٹے پونجا بھائی تھے۔ قائداعظمؒ کے جد امجد پونجا بھائی کی چار اولادیں تھیں۔ سب سے بڑی اور اکلوتی بیٹی مان بی' بڑے بیٹے والجی' منجھلے بیٹے ناتھو بھائی اور چھوٹے بیٹے قائداعظمؒ کے والد بزرگوار تھے جن کا نام جینا بھائی تھا۔ یہ خاندان کاٹھیاواڑ کا رہنے والا تھا اور اس علاقہ میں اس قسم کے ناموں کا عام رواج تھا۔



۱- محمد علی گھانچی والجی کا بیان۔

جزیرہ نما کاٹھیاواڑ

قائداعظمؒ کے آباواجداد کا وطن کاٹھیاواڑ برعظیم ہند کے جنوب مغربی ساحل پر واقع سب سے بڑا جزیرہ نما ہے۔ پرانی تاریخوں میں اس علاقہ کا نام "آنرت"[1] لکھا ہے۔ اسی جزیرہ نما کو سورٹھ 'سوراشٹر اور کاٹھی واڑ بھی کہتے ہیں۔ اس علاقہ میں وہ کاشت کار آباد ہوئے جو کاٹھی کہلاتے تھے۔ اسی مناسبت سے اس کو کاٹھیوں کی کھیتی یعنی کاٹھی واڑ کہا جانے لگا جو عام بول چال میں کاٹھیاواڑ ہوگیا۔ اس جزیرہ نما کے شمال مغرب میں خلیج کچھ' مغرب میں بحیرۂ عرب' جنوب مشرق میں خلیج کھمبایت جسے کیمبے بھی کہتے ہیں اور مشرق میں برعظیم کا علاقہ گجرات ہے۔

ریاستوں کا جُھرمٹ

جزیرہ نما کاٹھیاواڑ قیام پاکستان تک تقریباً دو سو چھوٹی بڑی ریاستوں کا مجموعہ تھا۔ ان میں ریاست جونا گڑھ بڑی تھی۔ مانگرول' ماناودر' راجکوٹ' گونڈل' جام نگر' وانکانیر' پوربندر' پالن پور اور راج پیپلا وغیرہ کے نام نمایاں تو تھے مگر یہ نسبتاً چھوٹی ریاستیں تھیں۔ ان کے علاوہ ایسے تعلقے بھی تھے جو بڑی ریاستوں کے باج گزار تھے مگر ریاست ہی کہلاتے تھے۔

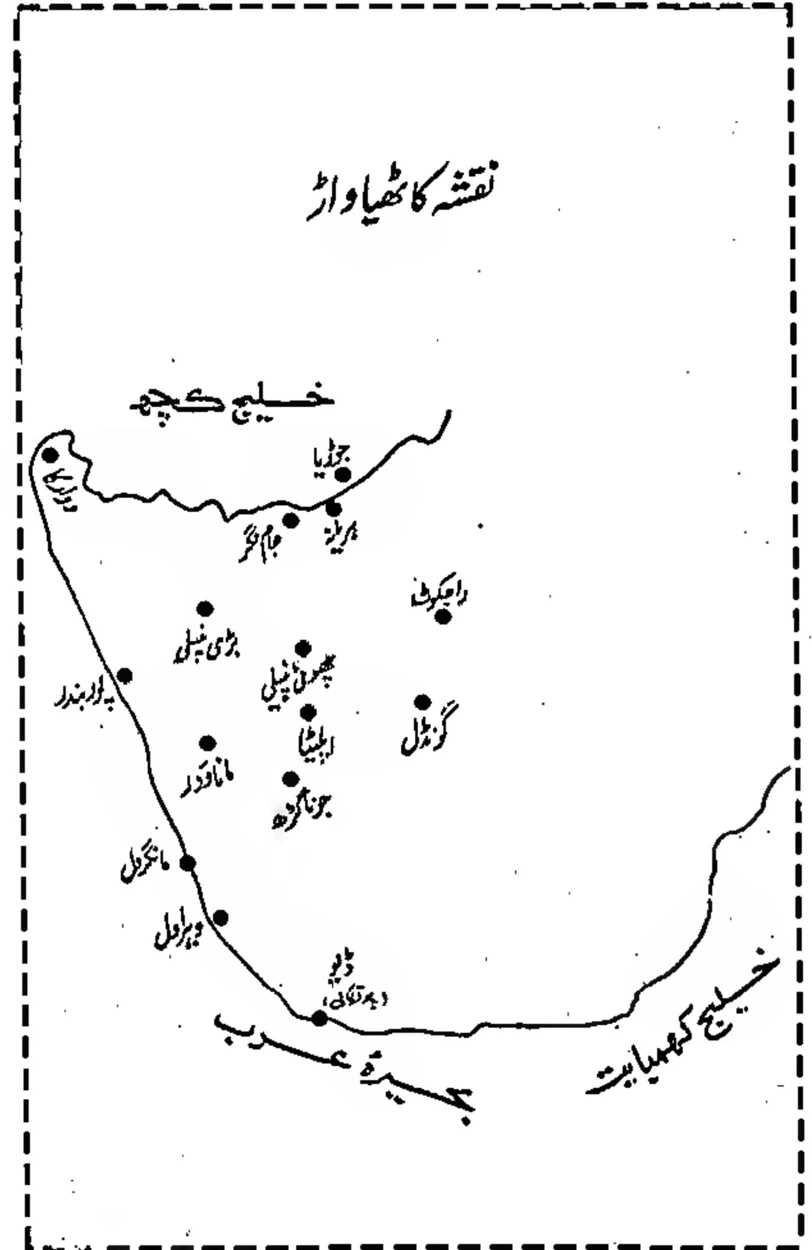
نسلوں اور ذاتوں کا گہوارہ

اگر کاٹھیاواڑ ریاستوں کا جھرمٹ تھا تو اس کی ہر ریاست مختلف ذاتوں' نسلوں اور قومیتوں کا گہوارہ تھی۔ ان میں گونڈ' بھیل' کاٹھی' کالی پرج' برہمن' راجپوت' رباڑی' کول' گراسیہ' سید' شیخ' مغل' پٹھان' میمن' خوجہ' بوہری' عرب' حبشی' مکرانی' بلوچی' لوہانہ' بنیے' کنبی' کاسنغ' پرمار' واگری اور ڈھیڑ وغیرہ سبھی موجود تھے اور ان ریاستوں پر مختلف نسلوں اور ذاتوں کے مسلم اور غیر مسلم خاندان حکمران تھے۔

پیشہ ورانہ رجحانات

کاٹھیاواڑ ہمیشہ سے ایک سرسبز و شاداب زرخیز علاقہ ہے۔ یہاں کے لوگوں کا عام رجحان زراعت' تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف رہا ہے۔ اس علاقہ میں بہت سی چھوٹی چھوٹی قدرتی بندرگاہیں موجود ہیں جن میں زمانۂ قدیم سے بادبانی کشتیاں آتی اور سامانِ تجارت لاتی لے جاتی رہی ہیں۔ اس طرح کاٹھیاواڑ

1- بھگوت گومنڈل نو جلدوں کی تمہید میں۔



کا دور دراز کے ممالک سے تجارتی رابطہ صدیوں پرانا ہے۔ لیکن برعظیم میں جیسے جیسے انگریزوں کا اقتدار بڑھا یہ چھوٹی بندرگاہیں بند ہوتی چلی گئیں۔ انگریزوں نے بمبئی' کلکتہ اور مدراس کی بندرگاہوں کو جو ان کے قبضہ میں تھیں' فروغ دیا اور 1843ء[1] میں جب کراچی پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو ان نئی ترقی پانے والی بندرگاہوں میں کراچی کی بندرگاہ بھی شامل ہو گئی۔

اِضطِراب انگیز حالات

انیسویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی حکومت پر زوال آیا۔ اہل ملک گروہ بندیوں میں بٹ کر باہم برسرپیکار ہو گئے۔ انگریزوں (ایسٹ انڈیا کمپنی) کا جذبہ ملک گیری تیز سے تیز تر ہوا۔ سازشیں ہوئیں' انتشار پھیلا اور لڑائیوں پر لڑائیاں ہونے لگیں۔ برعظیم میں سیاسی' سماجی' معاشی اور تجارتی تغیرات تیزی سے رونما ہوئے۔ انگریزوں کا عمل دخل ریاستوں میں بڑھا' سکون درہم برہم ہوا' قحط پر قحط پڑے اور لوگوں کی زندگی تلخ ہو گئی۔

مسلسل قحط

ان علاقوں میں اس دوران بھروچ اور ٹنکاری کے علاقے 1838' 1840' 1868' 1878' 1896 عیسوی میں' کھیڑا اور پنچ محال یعنی پادا گڑھ' گودھرا' ٹودا وغیرہ کے علاقے 1845' 1853' 1857' 1861' 1864' 1877 اور 1899 عیسوی میں پے بہ پے قحط زدہ رہے۔ اس قحط کی دو تین وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ بارش کی کمی' جنگِ آزادی کے اثرات' حکومت کی بدانتظامی اور ناکام حکمت عملی کی بنا پر اشیائے صرف کی مصنوعی کمی اور گرانی۔ 1861ء کے قحط کی لپیٹ میں آگرہ' پنجاب' راجپوتانہ' کاٹھیاواڑ اور کچھ وغیرہ کے علاقے بھی آ گئے تھے۔ اس قحط کی شدت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صرف کھیڑا اور پنچ محال میں حکومت نے بطور امداد اٹھاسی لاکھ روپے خرچ کئے اور پینتیس لاکھ روپے کی معافی دی۔ اور یہ ایک سو تیئس لاکھ روپے اس زمانے کے ہیں جب گیہوں ایک روپے کا چار من بکتا تھا۔ لیکن قحط کی سنگینی کا یہ عالم تھا کہ 1856ء کے قحط میں صرف ضلع سورت میں بھوک سے مرنے والوں کی تعداد تیس[2] ہزار تھی۔ 1856ء[3] اور 1899ء کے قحط بے انتہا شدید تھے اور درمیانی سال بھی کچھ کم الم ناک نہ تھے خصوصاً 1861ء کا قحط۔ 1899ء کا عیسوی سن بکرمی سمبت کے حساب سے 1956ء[4] تھا۔ یہ دونوں چھپن 1856ء عیسوی اور 1956 بکری نہایت منحوس

1- فروری میں میانی اور مارچ میں میروں کی شکست کے بعد۔
2- تاریخ گجرات۔ از۔ سید ابو ظفر ندوی۔ صفحہ 78
3- اے ہسٹری آف انڈیا۔ سرجارج ڈنبار۔ جلد دوم۔ صفحہ 530 4- علمی جنتری 1899ء

سال سمجھے گئے۔ چنانچہ لوگ کاٹھیاواڑی نیز گجراتی زبان میں ہر فلاکت زدہ اور کنگال کو "چھپنیا" کہنے لگے۔ آج بھی چند پرانے لوگ اس لفظ کو انہی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ مسلسل قحط کے ساتھ ساتھ انیسویں صدی کے تیسرے عشرہ سے ملک کے سیاسی حالات بھی بد سے بدتر ہوتے گئے۔ 1857ء میں اہل ہند نے آخری سنبھالا لیا۔ جنگِ آزادی کے شعلے بھڑکے' مگر اس کا خاتمہ ناکامی پر ہوا اور سارے برعظیم پر انگریز قابض ہو گئے اور ریاستیں بھی انگریزوں کے رحم و کرم پر زندہ تھیں۔ ان حالات میں لوگ اپنی اپنی بستیوں' قصبوں' شہروں اور ریاستوں کو چھوڑ کر جدھر سکون ملنے کی آس بندھی نکلنے لگے۔

پونجا میگھ جی" کا آبائی گاؤں

اسی افراتفری میں پونجا میگھ جی" قائداعظمؒ کے دادا' بال بچوں کے تحفظ' کاروبار کی جستجو اور سکون کی تلاش میں اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ پونجا میگھ جی کاٹھیاواڑی تو تھے لیکن ان کا تعلق کس ریاست' شہر یا گاؤں سے تھا اس کے متعلق بہت سی باتیں کہی گئی ہیں۔ کسی نے ان کو راجکوٹ[1] کا باشندہ بتایا ہے' کسی نے گونڈل[2] اسٹیٹ کا گاؤں راجکوٹ کے پاس پانیلی بتایا ہے اور کسی نے ہویانی۔[3] دراصل قائداعظمؒ کا گاؤں بڑی پانیلی تھا جو گونڈل اسٹیٹ میں واقع ہے۔ اپلیسنا شہر گونڈل شہر سے 41 میل دور ہے اور اپلیسنا سے بڑی پانیلی تقریباً 12 میل پر واقع ہے جس سے تقریباً 5 میل پہلے ہی چھوٹی پانیلی واقع ہے۔

1940ء میں جب قائداعظمؒ نے پریس فنڈ کے سلسلہ میں کاٹھیاواڑ کی ریاستوں کا دورہ کیا تھا اور راجکوٹ پہنچے تھے تو مہاراجہ گونڈل نے قائداعظمؒ کو گونڈل آنے کی دعوت دی تھی اور ان کے اعزاز میں ایک استقبالیہ کا انتظام بھی کیا تھا۔ قائداعظمؒ راجکوٹ سے گونڈل اور دھوراجی گئے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ جب دھوراجی پہنچے تو یہ خواہش ظاہر کی کہ "میں بڑی پانیلی جاؤں گا۔" بڑی پانیلی میں اس کے بزرگوں کی کچھ یادگاریں تھیں۔ قائداعظمؒ جب بڑی پانیلی پہنچے تو گاؤں والوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور ان کے اعزاز میں "ڈانڈیا راس" بھی کیا۔ یہ خوشی کا ایک رقص ہے جس میں کچھ لوگ دونوں ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے ڈنڈے لے کر ایک دوسرے کے ڈنڈوں پر ضربیں لگاتے ہوئے رقص کرتے ہیں۔ یہ وہاں کا رواج تھا اور اب بھی موجود ہے۔ اسی دورے پر مسلمانوں نے قائداعظمؒ کو پھولوں کے ہاروں کی جگہ کافوری[4] ہار پہنائے تھے۔

1- محمد علی جناح۔ اے پولٹیکل سٹڈی۔ ایم ایچ سید۔ صفحہ 1
2- فضل حق قریشی۔ رسالہ ماہِ نو۔ کراچی۔ ستمبر 1949ء
3- فاطمہ بائی گانجی کا انٹرویو' روزنامہ ڈان' کراچی' مورخہ 27 ستمبر 1948ء
4- حاجی عبدالرزاق حبیب جانو کا بیان۔

تحریک پاکستان کے زمانہ میں کاٹھیاواڑ گجرات میں بھی بڑا جوش و خروش تھا اور وہاں کے لوگ عام طور پر کہا کرتے تھے کہ یہ دو "پ" کا مقابلہ ہے۔ پانیلی کی "پ" اور پوربندر کی "پ۔" یعنی قائداعظمؒ اور مہاتما۔ پانیلی کے محمد علی جناح اور پوربندر کے موہن داس کرم چند گاندھی۔ دونوں کاٹھیاواڑی تھے اور میدان سیاست میں ایک دوسرے کے مقابل۔

گونڈل ریاست

ریاست گونڈل کا بانی کمبھوجی اول نامی ایک چندر بنسی راجپوت تھا۔ 1884ء کے وسط میں اس خاندان کا گیارہواں راجہ حکمران تھا جس کے بعد مہاراجہ بھگوت سنگھ نے ریاست سنبھالی۔ گونڈل ریاست کا رقبہ ایک ہزار چوبیس مربع میل تھا۔ ریاست میں تقریباً 171 گاؤں اور چار شہر تھے۔ تعلیم مفت تھی اور کسی قسم کا ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔ کپاس' جوار' باجرا' چنا اور سرخ مرچ خاص زرعی فصلیں تھیں۔ تاجر عام طور پر زرعی پیداوار' کھدی کے کپڑوں اور سوت کی تجارت کرتے تھے۔ مہاراجہ بھگوت سنگھ کے زمانے میں ہی ریاست میں ریل جاری ہوئی۔ گونڈل شہر کاٹھیاواڑ کی دوسری ریاستی راجدھانیوں کے برعکس زیادہ ترقی یافتہ تھا اور کاٹھیاواڑ کا پیرس کہلاتا تھا۔

ترکِ وطن اور کراچی میں آمد

قرین قیاس ہے کہ پونجا میگھ جیؒ 1861ء میں جب اپنے آبائی گاؤں بڑی پانیلی کاٹھیاواڑ سے نکلے ہوں گے تو کسی قریبی ساحل سے کشتی میں بیٹھے ہوں گے۔ پوربندر' پانیلی سے قریب ترین بندرگاہ ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ پوربندر سے کراچی کے لئے روانہ ہوئے ہوں گے۔ پونجا میگھ جی تنہا نہیں تھے ان کے ساتھ ان کی بیوی[1] اکلوتی بیٹی "مان بی" بڑے بیٹے "والجی" منجھلے بیٹے "ناتھو" اور چھوٹے بیٹے "جینا" تھے۔ بیٹی اور دونوں بڑے بیٹے سنِ بلوغ کو پہنچ چکے تھے۔ صرف چھوٹے بیٹے "جینا" کم سن تھے۔ پونجا میگھ جی تنہا ہوتے تو شاید کسی اور طرف نکل جاتے یا ملک سے باہر چلے جاتے۔ انہوں نے بمبئی' مدراس' کلکتہ جیسے بڑے شہروں اور بندرگاہوں کا رخ نہیں کیا' وہ سیدھے کراچی پہنچے۔ کراچی اس زمانے میں بڑا شہر تو نہیں تھا لیکن ان کی اپنی بستی بڑی پانیلی بلکہ گونڈل ریاست سے زیادہ اہمیت حاصل کر چکا تھا۔ کراچی دوسری بڑی بندرگاہوں کے مقابلے میں قریب ترین بندرگاہ تھی اور ترقی پذیر نئی بندرگاہ ہونے کی بنا پر نیا کاروبار شروع کرنے کے بہتر مواقع تھے۔

۱- محترمہ شیریں جناح کا بیان ہے کہ "دادی والد کے ساتھ ہی رہتی تھیں' مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

پونجا میگھ جیؒ نے کراچی کو دوسرے شہروں پر جو ترجیح دی اس کے مندرجۂ بالا اسباب کے علاوہ یہ بھی ایک سبب تھا کہ کراچی ان کے لئے کوئی اجنبی جگہ نہ تھی۔ یہاں کچھ لوگوں سے ان کی جان پہچان بھی تھی اور ان کے ہم مسلک لوگ بھی رہتے تھے۔ پونجا میگھ جی اسماعیلی خوجہ تھے اور آغا حسن علی شاہ (آغا خاں اول) اور ان کے اہل حلقہ بھی یہاں موجود تھے۔ کراچی آنے سے پونجا میگھ جی کو ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ یہاں ان کو اپنے مرشد کی سرپرستی اور اہلِ حلقہ کی حمایت حاصل ہونے کی توقع تھی۔ اسی لئے وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر سیدھے کراچی چلے آئے۔

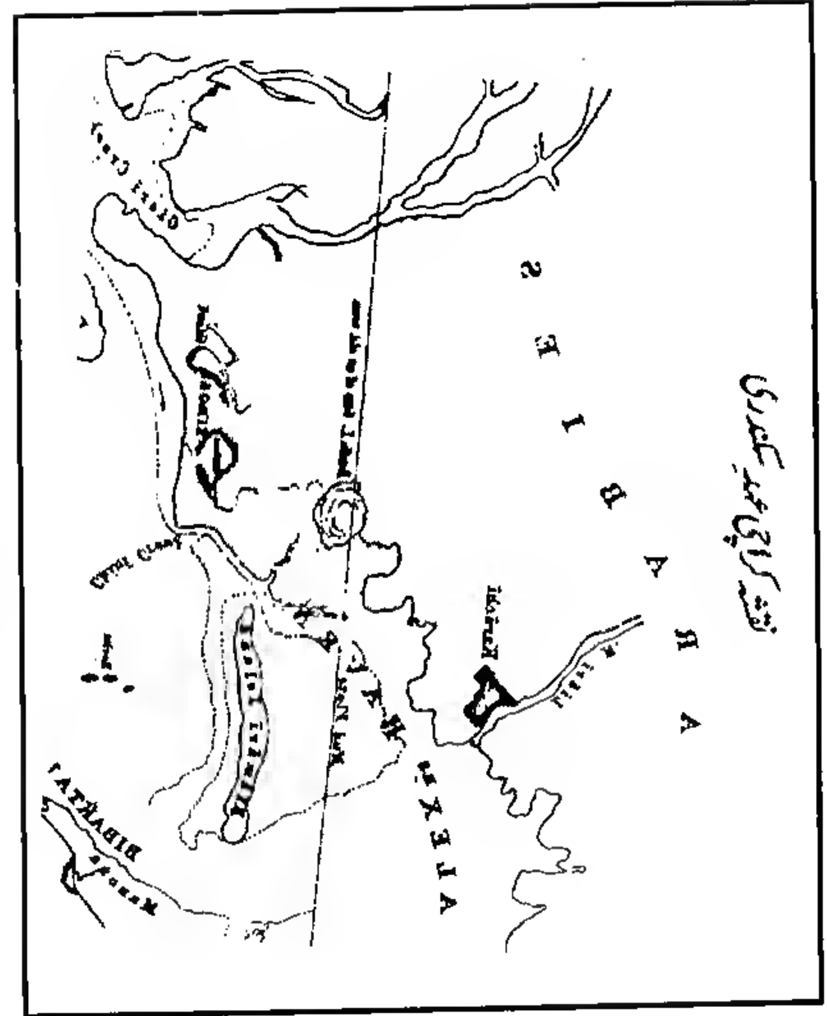


کلاچی

بحرِ عرب کے مشرقی سواحل پر "رن کچھ" ہے جس کے شمال میں کچھ فاصلے پر صوبہ سندھ کا مغربی ساحل ہے۔ اس کے بارے میں اٹھارہویں صدی کی ایک کہانی یہ چلی آتی ہے کہ یہاں ماہی گیروں کا ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا جسے "کُلاچی" کہتے تھے جس کو ایک ماہی گیر عورت کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ دوسری کہانی یہ ہے کہ اس جگہ کا نام "کَلانچی" تھا اور اس گاؤں کے اردگرد مٹی کی دیواریں اور خندقیں تھیں۔ ان دیواروں یا فصیلوں میں دو دروازے تھے۔ ایک سمندر کے رخ، جس کو "کھارادر" کہتے تھے اور دوسرا لیاری ندی کی طرف جس کو "میٹھادر" کہتے تھے۔ اس دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ "کلانچ" ایک بلوچ قبیلہ تھا جس نے اپنے تجارتی مقصد سے ایک گاؤں بسایا تھا اور اسے اپنا مرکز بنایا تھا، اس بستی کے اردگرد جو فصیلیں اور پانی سے بھری خندقیں تھیں ان کا وجود بھی قبائلی روایات کی طرف اشارہ کرتا ہے، مگر اس کا ٹھیک ٹھیک پتہ اب تک نہیں ملا ہے کہ اس کُلاچی یا کَلانچی کی بنیاد کب پڑی تھی۔ اتفاق سے کلانچ نام کا مکران میں ایک قصبہ بھی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ محمد بن قاسم کی آمد کے زمانے ہی میں اس کی بنیاد پڑی ہوگی، مگر قدیم نقشوں میں یا تاریخی دستاویزوں میں اس نام کے کسی گاؤں یا قصبے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے حالانکہ اس کے آس پاس کے علاقے کا کچھ بیان مل جاتا ہے۔

کراچی عہدِ سکندری میں

سکندرِ اعظم نے جب پنجاب کو فتح کیا تو وہ دریائے مہران کے سہارے سمندر تک پہنچا تھا۔ یہاں انڈس ڈیلٹا (یعنی دریا کے کنارے کی تکونی زمین) کے مغربی حصے پر پہنچ کر اس نے اس علاقے میں پہلی مرتبہ مدوجزر کا ایسا تماشا دیکھا جو اسے بہت پسند آیا اور وہیں ٹھہر گیا اور اندرونی علاقے میں واپس آنے سے پہلے اس نے اس مقام کی پوری چھان بین کروائی اور اپنی فوج کے ایک دستے کو جنرل نیارکوس کی کمان میں دے کر بادبانی کشتیوں کے ذریعے خلیج فارس کی طرف روانہ کیا، مگر ہواؤں کے زور نے ان کشتیوں کو دھکیل کر "کردکالا" میں، جو کراچی کے قریب و جوار میں تھا، لنگرانداز ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ اس مقام کے قریب ہی ایک قبیلہ آباد تھا جس کا نام انگریزی میں ARABIES دیا گیا ہے۔ کیا یہ عربی یا اعرابی کی جمع ہے؟ اس کی تحقیق ہونی چاہیے۔ بہرحال کردکالا سے یہ فوجی دستہ پھر روانہ ہوا تو اب کے یہ لوگ داہنے ہاتھ کی اس پہاڑی



کے دامن سے ہو کے گزرے جس کو انہوں نے "ایروس" کا نام دیا۔ اب وہی جگہ کلفٹن کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ پر نیچی سطح کا پھیلا ہوا جزیرہ تھا جسے اب کیماڑی کہتے ہیں۔ یہاں سے نکل کر وہ ایک کشادہ ساحل پر لنگرانداز ہوئے اور کمانڈر نیارکوس کو یہ جگہ خاصی وسیع اور پسندیدہ نظر آئی تو اس کا نام اس نے بندرگاہ سکندری (ALEXANDER HAVEN) رکھ دیا۔ یہ جگہ تقریباً وہی ہے جہاں آج بندرگاہ کراچی واقع ہے' یا اسے خلیج کراچی کا قرب کہیئے۔ بندرگاہ کے دہانے سے کم و بیش چار سو گز کے فاصلے پر ایک جزیرہ "بی باک تا" نامی تھا' جسے اب منوڑا کہتے ہیں۔ یہ جزیرہ سمندر میں ایک ایسی دیوار بنا ہوا ہے جس کی وجہ سے یہ ساحل وجود میں آگیا۔[1]

بابُ الاسلام

آٹھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں سندھ کا حکمران راجہ داہر تھا' جس کا تصادم محمد بن قاسم سے ہوا۔ یہ واقعہ تاریخ[2] میں یوں مذکور ہے کہ راجہ سراندیپ (لنکا) نے قیمتی تحفوں سے لدے ہوئے جہاز خلیفہ ولید بن عبدالملک کی خدمت میں روانہ کئے تھے۔ ان کو راستے میں دیبل کے قریب قزاقوں نے لوٹ لیا اور جتنے لوگ ان جہازوں میں تھے ان سب کو قید کر لیا۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو حج بیت اللہ کی نیت سے جارہے تھے اور ان عربوں کی بیویاں اور بچے بھی تھے جن کا لنکا میں انتقال ہو گیا تھا۔ خلیفہ کی طرف سے اس سنگین مسئلے کو طے کرنے کی کوشش کی گئی مگر راجہ نے کوئی توجہ نہ کی اور اس کے طرز عمل نے یہ ثابت کیا کہ قزاقوں کو راجہ کی سرپرستی حاصل ہے۔ کش مکش بڑھی اور آخر کار خلیفہ نے 92ھ میں سترہ سال کے نوجوان محمد بن قاسم کی سرکردگی میں ایک مختصر فوج گرفتار شدہ مسلمان عورتوں اور بچوں کی رہائی اور جہازوں کی واگزاری کی خاطر روانہ کی۔ راجہ داہر کا قلعہ دریائے سندھ کی ایک شاخ کے کنارے واقع تھا جسے دیول یا دیبل کہتے تھے۔ محمد بن قاسم خود قدیم بلوچستان و مکران کے بری راستے سے دیبل کی طرف بڑھا اور اس کا بحری بیڑہ بحرِ عرب کے راستے خلیج فارس سے پہنچا۔ جنگ ہوئی اور اس جنگ میں راجہ کو شکست ہوئی۔ محمد بن قاسم نے فتح کے بعد مقامی باشندوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا اور مسلمانوں کے برابر درجہ دیا۔ سندھ کی غالب ترین اکثریت بدھ مت کے ماننے والوں کی تھی۔ مسلمانوں نے بدھ مت کے پیروکاروں کو برہمنوں کی ظالمانہ و معاندانہ گرفت سے نجات دلوائی تھی۔ ان لوگوں نے بھی مسلمانوں سے پورا پورا تعاون

1- "انڈیکا" - از - سی مولر' جلد اول' جس کا ترجمہ میجر جنرل ایم آر ہیگ نے "انڈس ڈیلٹا کنٹری" کے نام سے کیا ہے۔ صفحہ 9 مطبوعہ 1894ء

2- "تاریخ اسلام" - از - اکبر شاہ خان نجیب آبادی۔ حصہ دوم صفحہ 187

کیا۔ بڑے بڑے عہدے پائے اور مل جل کر زندگی بسر کی۔ مسلمانوں کی فراخ دلی' وسعت قلبی' انسانیت دوستی اور اخلاص کا یہ اثر ہوا کہ اسلام اس خطے کے طول و عرض میں تیزی سے پھیلا۔ اہل سندھ اسلام کے دائرے میں داخل ہوتے چلے گئے جن میں بدھوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی تھے۔ یہی سبب ہے کہ سندھ کو "باب الاسلام" کہا جاتا ہے۔ اگرچہ تاریخی طور پر اس سے بہت پہلے مسلمان عرب مالابار کے ساحل پر اتر چکے تھے اور ان کی وجہ سے وہاں کے لوگ اسلام کے دائرے میں آچکے تھے۔ خود مالابار کے راجہ زمورن یا سامری کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے معجزۂ شق القمر کو دیکھا تھا اور اس عجیب واقعے کی تحقیق و تفتیش کروائی تھی اور مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ زمانۂ رسالتؐ کا واقعہ ہے۔ لکھا ہے کہ اس راجہ نے اپنے بیٹے کو حکومت سونپ دی اور خود اپنے رفیقوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھا اور مکہ مکرمہ کی راہ لی' مگر راستے ہی میں اس کا انتقال ہو گیا اور یمن میں مدفون[1] ہوا۔ بہرحال سندھی زبان کے عربی الفاظ' عربی تہذیب اور اسلامی عقائد محمد بن قاسم کے دور کا تحفہ ہیں۔ اسلام اپنی قوت و تاثیر کے ساتھ سرزمینِ سندھ سے آگے بڑھا۔ 96ھ تک بندرگاہ سورت سے کشمیر تک تمام مغربی علاقے محمد بن قاسم کے ماتحت آچکے تھے' اس لئے اسلام کی تاریخ میں سندھ کی اہمیت زیادہ ہے۔

کراچی برطانوی عہد میں

سندھ کے مغربی ساحل پر جو "کُلاچی" یا "کُلانچی" نام کی بستی تھی وہی بڑھتے بڑھتے کراچی ہو گئی۔ بمبئی پر پہلے پرتگالیوں کا قبضہ تھا۔ 1661ء میں پرتگال کی شہزادی کیتھرائن آف برگانزا کی شادی چارلس دوم بادشاہ انگلستان سے ہوئی تو پرتگال نے شہزادی کے جہیز میں بمبئی کو برطانیہ کے سپرد کر دیا اور یوں بمبئی پر برطانیہ کا قبضہ ہوا۔ برطانیہ نے اسی بندرگاہ کو بعد میں سندھ پر قبضہ کرنے کے لئے استعمال کیا اور جنرل چارلس نیپیئر کو اس مہم پر تعینات کیا۔ چنانچہ 7 ستمبر 1842ء کو اس کی فوجیں کراچی کے ساحل پر اتریں۔

کراچی کا سمندر

برطانوی فوج کی اس مہم میں ایک جرمن سیاح بھی ساتھ تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ کراچی کے:۔

"سمندر کی موجیں بڑی خوفناک تھیں۔ ان خوفناک موجوں نے فوجیوں کے جہازوں کو زبردست تھپیڑے مارے۔ یہ تھپیڑے اتنے شدید تھے کہ ان کی ضرب نے ایک جہاز راں کا سینہ توڑ دیا۔ وہ جہاں تھا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اور جہاز لنگرانداز ہوئے تو ان کو شارک مچھلیوں کے

1- "آئینہ حقیقت نما" - از - اکبر شاہ خاں نجیب آبادی صفحہ 71

ہجوم نے گھیر لیا جو سمندر کی سطح سے ابھر ابھر کے اپنے جبڑے کھولے بے تماشا لپک رہی تھیں۔ سمندر میں شارک مچھلیاں ہمیشہ اس تاک میں رہتی ہیں کہ کسی جہاز سے کوئی شخص طوفانی ہواؤں کے جھونکے کھا کے نیچے گرے' یا جہاز سے کود کے دیوانہ وار ہاتھ پاؤں مارتا ساحل تک جانے کے لئے کسی کشتی کی طرف بڑھنے کی کوشش کرے تو ان کو لقمۂ تر نصیب ہو جائے۔ یہ شارک مچھلیاں اور ان کی یلغاریں دیسیوں کے لئے اتنی خطرناک نہیں ہیں جتنی یورپ والوں کے لئے ہیں۔"[1]

کراچی کا قصبہ

1842ء میں یہی جرمن سیاح کراچی کے بارے میں لکھتا ہے کہ:-

"کراچی ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ یہاں چھوٹے چھوٹے گھر بہت قریب قریب بنے ہوئے ہیں۔ یہ قصبہ صاف ستھرا بھی نہیں ہے۔ اس کا نام "کرّاچی" ہے۔ کل چودہ ہزار اس کی آبادی ہے جس میں نو ہزار ہندو ہیں اور پانچ ہزار مسلمان۔ ان کی زندگی کا انحصار تجارت' جہاز رانی اور ماہی گیری پر ہے۔ قصبے کے مشرقی کنارے پر ایک مسجد بھی ہے اور ایک تالاب بھی جو اکثر خشک رہتا ہے۔ کچھ درخت بھی یہاں ہیں' کھجوروں کے' کیلوں کے اور املی کے اور کچھ سمندری جھاڑیاں بھی ہیں جن میں سفید یا گلابی پھول کھلتے ہیں اور ان کے پتے بالکل پروں کی طرح نرم ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ فطرت ابھی یہاں بالکل مردہ نہیں ہوئی۔ حال میں چند مکانات پتھر کے بھی بن گئے ہیں ورنہ بیشتر مٹی اور لکڑی کے ہیں۔"[2]

اس سے معلوم ہوا کہ 1842ء میں کراچی کا تلفظ کُرّاچی تھا یعنی "کاف" کو پیش اور "رے" کو تشدید۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ شہر نہیں قصبہ تھا اور اس کا عام منظر وہ تھا جو اس سیاح کے بیان سے ہمارے سامنے آتا ہے۔

کراچی کی تجارت

1843ء میں ایک برطانوی مصنف نے اسی کُرّاچی کے بارے میں یوں لکھا ہے کہ:-

"کراچی کا قصبہ خراب وخستہ تو ہے لیکن ایک بندرگاہ کی حیثیت سے اس کے ترقی کرنے کے امکانات موجود ہیں۔ اس کی زمین کا ایک نوکیلا حصہ سمندر کے اندر تک چلا گیا ہے جہاں

1- ٹریولس اِن انڈیا (سیاحتِ ہند)۔ از۔ کیپٹن لیوپولڈ فان آرلیک ص 78۔ مطبوعہ 1845ء

2- ایضاً۔ صفحہ 79' 80

ایک لائٹ ہاؤس بنایا جا سکتا ہے۔ کراچی کی زیادہ تر تجارت کچھ' کاٹھیاواڑ' بمبئی' ساحل مالابار' مسقط' زنجبار اور بندر عباس سے ہوتی ہے۔"[1]

جرمن سیاح کے بیان میں آبادی' درختوں' جھاڑیوں اور مکانات کے تذکرے کے ساتھ تجارت کا اجمالی ذکر ہے اور برطانوی مصنف نے یہاں کی تجارتی ہماہمی کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس کے مستقبل کی پیش گوئی کی ہے۔ برطانوی مصنف نے "کَرّاچی" کاف کے زبر کے ساتھ لکھا ہے البتہ "رے" پر تشدید اس کے یہاں بھی موجود ہے۔ گویا کُلاچی یا کُلانچی اب کُرّاچی یا کَرّاچی بن چکا ہے۔ یہ 1842ء اور 1843ء کی بات ہے۔

کراچی کی اہمیت

ایک اور مورخ لکھتا ہے کہ:-

"کَرّاچی' بقول تھارنٹن' اپنے محل وقوع کے لحاظ سے عظیم الشان اہمیت کا حامل ہے' تجارتی لحاظ سے بھی' سیاسی لحاظ سے بھی اور فوجی لحاظ سے بھی۔ تجارتی نقطۂ نظر سے دیکھئے تو اسے وسطی ایشیا کا دروازہ کہا جا سکتا ہے اور پورا امکان ہے کہ یہ ہندوستان کے لئے وہی حیثیت اختیار کرلے جو انگلستان کے لئے لیورپول کی ہے۔"[2]



1- پرسنل آبزرویشنز آن سندھ (سندھ کے بارے میں ذاتی مشاہدات)۔ از۔ ٹی پوسٹانس۔ صفحہ 23' 24۔ مطبوعہ: 1843ء

2- دی انڈس اینڈ اِٹس پراونسز۔ از۔ ڈبلیو' پی' اینڈریوز۔ صفحہ 49۔ مطبوعہ: 1858ء

آغا خاں اوّل

آغا حسن علی شاہ (آغا خان اول) 1840ء میں ایران سے منتقل ہو کر بلوچستان کے راستے سندھ آئے تھے۔ اپنی آمد سے پہلے انہوں نے خاصی بڑی تعداد میں اپنے خدم و خشم کو یہاں بھیج دیا تھا۔ ان کے پوتے آغا خان ثالث نے اپنی "یادداشت" میں لکھا ہے کہ:۔

"ایران سے ہجرت کے وقت میرے دادا اپنے ساتھ ایک ہزار سے زیادہ رشتہ داروں اور ان لوگوں کو جن کا انحصار ان کی ذات پر تھا' نیز دوسرے حاشیہ نشینوں' رفیقوں اور ذاتی و سیاسی حامیوں کو ساتھ لے کر آئے تھے' جن میں معمولی درجے کے ملازمین سے شہزادوں کے مرتبے تک کے لوگ شامل تھے۔"[1]

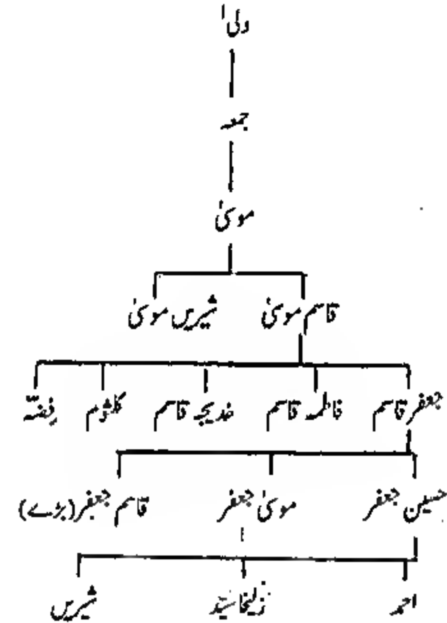
آغا حسن علی شاہ (آغا خان اول) کرمان میں شہنشاہ ایران کے ماتحت ایک سردار سپہ سالار تھے۔ 1838ء میں شہنشاہ محمد شاہ سے ان کا اختلاف ہوا۔ وزیر اعظم ایران نے آغا خان کی ایک صاحبزادی سے اپنے بیٹے کا نکاح کرنا چاہا' جس کو آغا خان نے اپنی سخت توہین قرار دیا۔ یہاں تک کہ ان کو اپنے تحفظ کے لئے ہتھیار اٹھا لینے پڑے۔ آخر کار وہ 1840ء میں کسی طرح ایران سے نکل آئے اور بلوچستان کا دشوار گزار راستہ طے کرتے سندھ پہنچے اور ایک عرصے تک اسی علاقے میں مقیم رہے۔ سندھ میں اسماعیلی مبلغوں کا پہلے سے ایک مرکز موجود تھا۔ آغا خان اول نے شہسواروں کی ایک فوج بھی تیار کی اور 42-1841ء میں انگریزوں اور پٹھانوں کے درمیان پہلی جنگِ افغان ہوئی تو اس میں انہوں نے اپنی اور اپنے شہسواروں کی خدمات جنرل ناٹ کو پیش کیں' جو قندھار میں تھا اور پھر جنرل ناٹ کی امداد کے لئے جنرل انگلینڈ سندھ سے نکلا تو اس کے ساتھ بھی آغا خان اول کے شہسوار موجود تھے۔ پھر اسی قسم کی خدمات انہوں نے سر چارلس نیپیئر کو بھی پیش کیں' جب 44-1843ء میں وہ فتح سندھ کی مہم میں مشغول تھا۔ برطانیہ نے اس کے صلے میں ان کو پنشن عطا کی اور 1866ء میں ان کو حقوق اور خطابات بھی ملے۔[2]

1۔ دی میمائرس آف آغا خاں' صفحہ 9۔ مطبوعہ 1954ء

2۔ ایضاً صفحہ 9' 182۔

آغاخان کے بڑے وزیر

آغاخان اول کے اس شاہی قافلے میں جو ایران سے ہجرت کرکے آیا تھا ان کے زبردست حامی و معاون اور دست راست ایک بزرگ ولی نامی بھی تھے۔ یہ بھی اپنے اہل و عیال سمیت سندھ چلے آئے تھے جن میں ان کے صاحبزادے جمعہ اور پوتے موسیٰ بھی تھے۔



پونجا میکھ جیؒ کراچی میں

پونجا میکھ جیؒ جب کراچی پہنچے تو کانڈا گلی[2] کے ایک احاطے میں، جو "ڈیلا" یا "ڈیرا"[1] کہلاتا تھا، ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لیا اور چھوٹا موٹا کاروبار کرنے لگے۔ ڈیلا یا ڈیرا اس احاطے کو کہتے تھے جس کے اندر

1- زلیخا سید کا بیان۔
2- اکبر علی پیشھا کا بیان۔
3- محترمہ شیریں جناح کا بیان۔

چھوٹے چھوٹے گھر ہوتے تھے اور ان میں اکثر رشتہ دار یا ہم خیال، ہم مسلک اور ہم مشرب لوگ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ایک ہی جگہ رہا کرتے تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ایک دوسرے کو سہارا ملے اور حفاظت کی فضا میسر رہے۔ کہیں کہیں اب بھی ایسے احاطے پائے جاتے ہیں۔

پیشھا اور جمال

کاٹھیاواڑ کے مختلف علاقوں میں 1838ء سے برابر قحط پڑ رہا تھا جس میں 56ء اور 61ء کے قحط شدید ترین تھے۔ 1856ء کے قحط میں رتن سی نامی ایک شخص کے دو نوجوان بیٹے پیشھا اور جمال نے اپنا وطن جاموڑہ، جام نگر، کاٹھیاواڑ چھوڑا۔ یہ دونوں بھائی پیدل ہی نکل پڑے اور کچھ کے راستے سینکڑوں میل کی مسافت مہینوں میں طے کرتے ہوئے کراچی پہنچے۔ کراچی پہنچ کر ان دونوں نے کانڈا گلی میں ایک مکان کرائے پر لیا اور محنت مزدوری کرکے گزارا کرنے لگے۔ جب کچھ پیسے جمع کر لئے تو چنے لے کر بازار میں بیٹھ گئے۔ خدا محنت کرنے والے کی محنت رائگاں نہیں جانے دیتا۔ چنانچہ ان دونوں نوجوانوں کی محنت بھی ضائع نہ ہوئی۔ چند ہی سال کے عرصہ میں ان کو اپنی محنت کا پھل ملا اور 1868ء میں انہوں نے "رام جی پیسھا بھائی"[2] کے نام سے ایک تجارتی ادارہ قائم کر لیا۔

پونجا میکھ جیؒ (قائداعظمؒ کے دادا) تقریباً 1861ء میں سمندری راستہ سے کراچی پہنچے۔ وہ بھی کانڈا گلی میں پیشھا اور جمال کے پڑوس میں ایک کرائے کے مکان میں مقیم ہوئے۔ ہم وطن، ہم زبان اور ہم مسلک ہونے کی بنا پر دونوں ہمسایہ گھرانوں میں ربط و ضبط بڑھا اور کچھ عرصہ کے بعد پونجا میکھ جی نے اپنی اکلوتی بیٹی "مان بی" کی شادی جمال بھائی سے کر دی اور دونوں گھرانے ایک ہو گئے۔[3] لیکن حالات کو قرار کہاں! تقریباً 1898ء میں "جمال رتن سی" نے اپنے اہل و عیال سمیت "ظاہری خوجہ" ہو جانے کا اعلان کر دیا۔[4] یعنی مسلک کے اعتبار سے انہوں نے باطنی مذہب چھوڑ دیا اور آغا خان کی پیروی سے آزاد ہو گئے۔

والجی اینڈ کمپنی

پونجا میکھ جیؒ نے کراچی آکر جو کاروبار شروع کیا اس میں ان کی محنت، مشقت اور عرق ریزی بار آور

1- اکبر علی پیشھا کا بیان۔
2- دی بمبئے، دی یوپی، دی پنجاب اِن سنٹرل۔ مرتبہ: آرنلڈ رائٹ۔ 1917ء
3- محترمہ شیریں جناح اور اکبر علی پیشھا کے بیانات۔
4- اکبر علی پیشھا کا بیان۔

ہوئی۔ جلد ہی انہوں نے اپنے بڑے بیٹے والجی کے نام سے ایک تجارتی ادارہ "والجی پونجا بھائی اینڈ کمپنی"[1] قائم کرلیا اور مچھلی، گوند، چمڑے وغیرہ کا کاروبار کرنے لگے۔

فتح اور گیلانی

والجی پونجا بھائی اینڈ کمپنی کا کام تیزی سے بڑھا۔ کمپنی کے چھوٹے بڑے کئی گودام تھے۔ اشیائے تجارت کی منتقلی کے لئے گدھا گاڑیاں اور اونٹ گاڑیاں بھی تھیں۔ ماہی گیری کے لئے کمپنی کی ملکیت میں متعدد چھوٹی بڑی کشتیاں اور لانچیں تھیں۔ والجی پونجا بھائی اینڈ کمپنی کی دو لانچوں کے نام فتح اور گیلانی[2] تھے، جن میں آخر الذکر قابلِ غور ہے۔



1- مقدمہ نمبر 99۔ 1890ء کراچی۔

2- جناح پونجاؒ کی کشتیوں کے ناخدا ابوبکر کے بیٹے ہارون کا بیان۔

کراچی کی تعلیمی حالت

سندھ پر انگریزوں کا مکمل قبضہ 1843ء میں ہوا۔ اس وقت تک کراچی کی تعلیمی حالت یہ تھی کہ یہاں برہمنوں کے تین چار اسکول تھے۔ ہندو عام طور پر اپنے بچوں کو سندھی سکھاتے تھے اور فارسی زبان کی تعلیم مدرسوں میں مولویوں سے حاصل کی جاتی تھی۔ شہر میں کوئی ایک درجن تعلیم گاہیں ایسی موجود تھیں جو مسجدوں کے اندر تھیں۔ کراچی کے ہندو اپنی لڑکیوں کو تعلیم نہیں دیتے تھے۔ مسلمان اپنی لڑکیوں کو تعلیم دیتے تھے اور قرآن شریف سے اس کی ابتدا ہوتی تھی۔[1]

سندھ کی عام زبان

سندھ میں ہندو اور مسلمان عام طور پر عربی و فارسی لکھتے پڑھتے تھے اور خط و کتابت اسی زبان میں کرتے تھے۔ انگریزوں کو بھی کچھ عرصہ تک فارسی کو قومی زبان کی حیثیت سے باقی رکھنا پڑا۔ سرکاری کام کاج اسی میں ہوتا تھا۔ 1853ء میں سندھی کے لئے سنسکرت کے حروفِ تہجی اور رسم الخط اختیار کرنے پر انگریزوں نے بڑا زور دیا مگر پیچیدگیاں ایسی تھیں کہ آخرکار عربی حروفِ تہجی ہی پر ان کو اتفاق کرنا پڑا۔ سندھی زبان کسی نہ کسی طرح یہاں عام کرنی تھی۔ انہوں نے فارسی، اردو، گجراتی، مرہٹی اور انگریزی کتابوں کا سندھی میں ترجمہ کا اہتمام کروایا اور ہندو مسلمانوں کو مجبور کیا کہ اس کو سیکھیں۔ تب فارسی کا خاتمہ ہوا۔

پہلا انگلش اسکول

کرنل پریڈی کراچی کا پہلا کلکٹر تھا۔ 1846ء میں اسی نے یہاں پہلا انگلش اسکول قائم کیا تھا۔ اس کے بعد 1853ء میں نارائن جگناتھ ہائی اسکول قائم ہوا۔ پھر 1858ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول، 1859ء میں سینٹ پیٹرک ہائی اسکول، پھر اسی 1859ء میں سینٹ جوزف اسکول (کینٹونمنٹ میں) اور پھر 1866ء میں یورپین یوریشین اسکول منوڑا میں قائم ہوا۔

1- 40-1838ء میں کراچی کی تعلیمی حالت۔ رپورٹ۔ از۔ کیپٹن ہارٹ۔

چرچ مشن اسکول

1846ء میں جو انگلش اسکول کرنل پریڈی نے قائم کیا تھا وہ کراچی کا قدیم ترین انگلش اسکول ہے۔ یہ اسکول عیسائیوں کی ایک کمیٹی کے زیر اہتمام تھا پھر اسے باقاعدہ "چرچ مشن سوسائٹی" کے سپرد کردیا گیا اور اس اسکول کا نام "چرچ مشن اسکول" ہوگیا۔ یہ قدیم اسکول آج بھی اسی نام سے کراچی کے لارنس روڈ پر موجود ہے۔ (موجودہ نشتر روڈ)۔

جینا بھائیؒ

قرینہ یہی ہے کہ پونجا میگھ جیؒ کے سب سے چھوٹے بیٹے جینا بھائیؒ نے اسی اسکول میں تعلیم پائی۔ اس لئے کہ جینا بھائیؒ پھر اسی اسکول میں معلم کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔[1] گو اسی زمانے میں وہ اپنے کاروبار "والجی پونجا اینڈ کمپنی" کے شرکا میں تھے اور ان کی یہ حصہ داری و شرکت برائے نام بھی نہ تھی۔ کمپنی کی کاروباری خط و کتابت اور بیرونی تعلقات کے فرائض انہیں کے سپرد تھے۔

چنڈوَمل

اسی شہر کراچی میں ایک صاحب اور تھے جن کا نام چنڈوَمل تھا۔[2] یہ ہندو تھے اور ان کا تعلق بھی کاروباری برادری سے تھا۔ یہ بھی اسی چرچ مشن اسکول میں ٹیچر تھے اور جینا بھائیؒ سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ کیا عجب کہ دونوں نے تعلیم بھی ساتھ ہی پائی ہو اور معلمی کے منصب پر بھی ایک ہی زمانے میں پہنچے ہوں۔

وضع قطع

اتفاق سے دونوں قد و قامت کے لحاظ سے چھوٹے تھے۔ دونوں پگڑی باندھتے تھے۔ جینا بھائیؒ کی دستار سنہری تھی اور چنڈوَمل کا پھینٹا سرخ تھا' جسے پگ یعنی پگڑی کہتے تھے۔ دونوں لمبا ڈھیلا ڈگلا پہنتے تھے جو اصلاً فارسی زبان کا لفظ دگلہ ہے۔ اسے لمبا کوٹ کہئے۔ البتہ چنڈوَمل چونکہ ہندو تھے اس لئے دھوتی باندھتے تھے اور جینا پونجاؒ پائجامہ پہنتے تھے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ عام طور پر مسلمانوں اور ہندوؤں کا لباس اس

1- مقدمہ نمبر ۱۱۔ 1896ء کے مدعی کا بیان۔ محترمہ شیریں جناح کا بیان کہ ہمارے پاپا اسکول ٹیچر بھی تھے۔
2- ایم این کوتوال اور عاشق علی لالن کا بیان۔

زمانے میں کیا تھا اور دونوں میں کتنا فرق ایک ساتھ رہنے کے باوجود نمایاں تھا۔ اسکول میں جو درمیانی وقفہ ہوا کرتا تھا اس میں یہ دونوں ٹیچر اکثر ایک جگہ بیٹھے محو گفتگو نظر آتے تھے اور ان کی یہ گفتگو زیادہ تر کاروبار کے بارے میں ہوتی تھی۔[1]

جینا بھائیؒ کا امتیاز

اغلباً "جینا بھائیؒ" اپنی برادری کے پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنے لئے معلمی کی خدمت پسند کی تھی اور شہر میں ان کو دوہری خصوصیت حاصل تھی۔ ایک طرف تو وہ کامیاب تاجر خاندان کے فرد تھے اور صرف یہی نہ تھا کہ وہ کامیاب تاجر خاندان کے فرد تھے بلکہ خود بھی تاجر تھے اور ایک کمپنی کے مالکوں میں تھے اور اس کے سرگرم رکن' دوسری طرف صاحب علم تھے اور شہری درس گاہ کے اساتذہ میں تھے' جن کی تعلیم و تربیت اور اخلاق و کردار کا فیض پاکر معلوم نہیں کتنے بچوں نے مستقبل میں اپنی جگہ بنائی ہوگی۔ جینا بھائیؒ اپنی ان دو خصوصیتوں کی بنا پر نمایاں تھے۔ لوگوں میں ان کی عزت تھی' وقار تھا اور اس وقت کی اعلیٰ سوسائٹی کے ممتاز لوگوں میں ان کا آنا جانا تھا۔

جینا بھائیؒ کی شادی

اس کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ جب آغا خان کے وزیر موسیٰ جمعہ کی خوبصورت صاحبزادی کے لئے جینا بھائیؒ کا پیغام پہنچا[2] تو موسیٰ جمعہ جیسے شخص کو اس کے قبول کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہ ہوا۔ جینا بھائیؒ کی اپنی ایک شخصیت تھی۔ یہ سچ ہے کہ پونجا میگھ جیؒ کے گھرانے کے لئے یہ بہت بڑی بات سمجھی گئی ہوگی۔ 1866ء میں جب برطانیہ نے آغا خاں کو حقوق و مراعات اور خطابات دیئے تو اس زمانے میں آغا خاں کے وزیر یہی موسیٰ جمعہ تھے۔[3] یہ خاندان معمولی نہیں تھا' لیکن خود موسیٰ جمعہ کے خاندان کے لئے بھی یہ بات کچھ معمولی نہیں تھی کہ ان کو ایک ایسا تعلیم یافتہ' ذہین' محنتی اور معزز و خوشحال داماد ملا۔ کراچی میں جناح بھائیؒ کی شادی کے موقعہ پر ایک شاندار ضیافت ہوئی جس کا ذکر 1896ء کی ایک[4] عدالتی کارروائی میں محفوظ ہے۔

1- غلام علی نانا کا بیان۔
2- محترمہ زلیخا سید کا بیان۔
3- محترمہ زلیخا سید کا بیان۔
4- مقدمہ نمبر ۱۱۔ 1896۔ صفحہ 117۔ ایگزیبٹ ایل۔

قائداعظمؒ کا ددھیالی اور ننھیالی شجرہ

قاسم موسیٰ

ولی
جمعہ ولی
موسیٰ جمعہ

امیر جی
میگھ جی
پونجا میگھ جی

قاسم موسیٰ
شیریں موسیٰ
جناح پونجاہ
نانتھو
والجی
گھانجی
محمد علی گھانجی

محمد علی جناح
رحمت بی
بندہ علی
مریم بی
احمد علی
شیریں بی
فاطمہ بی
بچو

دینا
اکبر پیر بھائی
فاطمہ
اکبر جعفر بھائی

ایرانی اُمَرا کا خاندان

اوپر ذکر آچکا ہے کہ آغا خان اول کے وزیروں میں ولی نامی ایک بڑے وزیر تھے اور آغا خان کے دستِ راست تھے۔ ولی کا خاندان ایران کے ان اُمَرا میں تھا جو علمی و عملی روایات کے حامل تھے۔ ان کی زبان فارسی تھی۔ یہ لوگ دراز قد، گورے چٹے اور خوب صورت تھے جیسا کہ عام طور پر ایران کے لوگ ہوتے ہیں۔ موسیٰ جمعہ کی دو اولادیں تھیں، ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔ بیٹے کا نام قاسم موسیٰ تھا اور بیٹی کا نام شیریں موسیٰ۔ قاسم موسیٰ کی تعلیم بھی غالباً چرچ مشن اسکول میں ہوئی ہوگی، البتہ شیریں موسیٰ کو عربی، فارسی اور علاقائی زبانوں کی تعلیم اس زمانے کے عام دستور کے مطابق گھر ہی پر دی گئی ہوگی۔

شیریں بی بی عرف میٹھی بائیؒ

ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ جب جینا بھائی، موسیٰ جمعہ کی صاحبزادی شیریں بی بی کو بیاہ کر لائے تو دلہن کی سسرال میں ان کی خوب صورتی، خوش مزاجی اور خوش سلیقگی کا بڑا چرچا ہوا کہ پونجا میگھ جیؒ کا بیٹا بیج چاند سی دلہن لایا۔ یہ سب لوگ خوب صورت لڑکیوں اور چاند سی دلہنوں کو عام طور پر "میٹھی" کہا کرتے تھے۔ اتفاق سے "میٹھی" کا لفظ فارسی لفظ "شیریں" کا ہم معنی ہے اور یہ لوگ فارسی زبان سے نابلد نہ تھے۔ سارے گھرانے میں ان کی یہی عرفیت عام ہو گئی اور پھر یہی ان کا مستقل نام ہو گیا "میٹھی بائیؒ"۔ بائی کا لفظ گجرات اور بمبئی میں معزز خواتین کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے خاتون اور بیگم کا لفظ دوسرے علاقوں میں رائج ہے۔ جنوبی ہند کے علاقے بنگلور، میسور اور مدراس میں یہ لفظ "بائیکاں" ہے۔ دوسرے علاقوں میں یہی لفظ بی اور بی بی کی شکل میں موجود ہے۔

جینا پونجا جناح پونجاہؒ ہو گئے

جینا پونجاؒ چھریرے بدن کے تھے مگر ان کا قد چھوٹا تھا، اسی لئے "جینا" کہلاتے تھے مگر ان کے اندر یہ تغیر آیا کہ وہ اپنا نام "جینا پونجا" کی جگہ "جناح پونجاہؒ" لکھنے لگے۔ جینا پونجا نے اپنے نام کی یہ صورت کب بدلی یہ تحقیق طلب ہے لیکن اتنا معلوم ہے کہ فارسی زبان ان کے دور تک سندھ میں زندہ تھی۔ اس کے علاوہ ان کی سسرال والے فارسی کے اہل زباں تھے۔ گجراتی زبان میں "جینایا جیرلاں" کے معنی "دبلے پتلے" کے ہیں اور عربی میں صوتی مناسبت رکھنے والے لفظ "جناح" کے معنی "بازو" اور "شہ پر" کے ہیں۔

۱- محترمہ شیریں جناح کا بیان۔

بہرحال سبب کچھ بھی ہو' یہ واقعہ ہے کہ جینا پونجاؒ نے اپنے نام کا تلفظ بدل لیا تھا۔ وہ جینا کو انگریزی میں JINNAH لکھنے لگے تھے۔ یہ ان کے دستخطوں سے ظاہر ہے' اتا ہی نہیں انہوں نے پونجا کو بھی POONJAH کر دیا۔ لفظ "پونجا" کے اخیر میں "ہ" کے بڑھ جانے سے اس کے معنی کچھ اور ہو گئے۔ پونجا اسنسکرت اور ہندی میں وافر' بیشتر اور ڈھیر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ "پون" فارسی میں لباوے اور لمبے کوٹ کو کہتے ہیں اور "جاہ" مرتبے اور عظمت اور شان و شوکت کو کہتے ہیں جیسے عالی جاہ' والا جاہ' وغیرہ۔ مختصر یہ کہ "جینا پونجا" "جناح پونجاہؒ" ہو گئے۔

چھاگلہ اسٹریٹ

شادی کے کچھ عرصہ بعد جناح پونجاہؒ نے ایک نیا مکان[2] کرائے پر لے لیا اور اپنی دلہن کے ساتھ وہیں منتقل ہو گئے۔ یہ مکان چھاگلہ اسٹریٹ کے کنارے واقع تھا اور اس مکان کے اردگرد کی زمینیں خالی تھیں۔[3] ایک مسجد البتہ وہاں موجود تھی' اس کے علاوہ ان زمینوں پر اور کوئی عمارت نہیں تھی۔ یہ مسجد ان کے مکان کے قریب تھی۔ اس مسجد کا تذکرہ سرکاری کاغذات میں 1859ء سے موجود ہے۔

پرانی کراچی کی فصیلیں

کراچی میں انگریزوں کی آمد سے پہلے اس قصبے کے چاروں طرف مٹی کی اونچی اونچی فصیلیں قائم تھیں اور قدیم دستور کے مطابق پوری آبادی فصیل کے اندر تھی۔ چھوٹی آبادی ہو یا بڑی ہمیشہ فصیلوں کے اندر ہی ہوا کرتی تھی۔ یہ فصیلیں ہمیشہ بہت چوڑی بنتی تھیں۔ یہ فصیل بھی اتنی چوڑی تھی کہ اس پر دو بیل گاڑیاں آسانی سے آ جا سکتی تھیں۔ فصیل کے دروازوں پر چوکیاں ہوتی تھیں اور قزاقوں' جنگلی جانوروں یا حملہ آوروں سے محفوظ رہنے کے لئے غروبِ آفتاب کے بعد ہی یہ دروازے بند ہو جاتے تھے اور بند ہونے سے پہلے نقارے بجتے تھے تا کہ وہ لوگ جو آبادی سے باہر گئے ہوں آواز سن کر جلد واپس آ جائیں۔[4] انگریزوں نے یہ فصیلیں توڑ ڈھا دیں اور آبادی کے لئے گنجائش پیدا کی مگر "میٹھا در اور کھارا در" کو وہ مٹا نہ سکے۔ پچھلی تاریخ کی یہ یادگاریں آج بھی محلوں کے نام سے باقی ہیں۔ قدیم فصیلوں کو ڈھا کر

1- جامع اللغات از خواجہ عبدالحمید۔
2- محترمہ شیریں جناح کا بیان۔
3- سٹی سروے نقشہ کراچی 1874ء
4- کراچی کے عمر رسیدہ لوگ آج بھی یہ کہانیاں سناتے ہیں۔ میں نے یہ کہانی عاشق علی لالن سے بھی سنی۔

جب انگریزوں نے وہاں سڑک بنائی تو اسے "ریمپارٹ روڈ" کا نام دیا۔ یہ فصیلیں دائرہ نما تھیں اس لئے جو سڑک بنی وہ بھی دائرہ نما ہو گئی۔ فصیلوں کے باہر جو سڑکیں بنائی گئیں ان میں سے ایک کا نام نیو نہم روڈ' ایک کا چھاگلہ اسٹریٹ پڑا' ایک مُولجی اسٹریٹ کہلائی۔ اس کے علاوہ بہت سے کوچے' گلیاں اور سڑکیں بھی نکالی گئیں۔

جناح پونجاہؒ کے پڑوسی دوست نور محمد لالن

جناح پونجاہؒ جس مکان میں رہتے تھے اس سے کچھ ہی فاصلے پر میرانِ سندھ کے زمانے کا بنا ہوا ایک گھر تھا جو آج بھی موجود ہے جس میں ایک اور تاجر نور محمد لالن رہا کرتے تھے۔ جناح پونجاہؒ اور نور محمد لالن کے دوستانہ تعلقات تھے۔ ایک دوسرے کے یہاں آمدورفت تھی اور میل مراسم تھے۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ کاروبار بھی کرتے تھے۔[2]

سندھ مدرستہ الاسلام کا قیام

شمالی ہند میں سرسید احمد خاںؒ کی سائنٹیفک سوسائٹی' اس کی مطبوعات اور 1875ء سے مدرستہ العلوم علی گڑھ کے قیام کا چرچا ہوا تو سندھ میں بھی مسلمانوں نے اس تحریک سے دلچسپی لی اور حسن علی آفندیؒ کی سربراہی میں مسلمانوں کی ایک درسگاہ کراچی میں بھی قائم ہوئی۔ ان ممتاز مسلمانوں میں جناح پونجاہؒ اور نور محمد لالنؒ کے نام بھی لئے جاتے ہیں جنہوں نے اس درس گاہ کے لئے سرمائے کی فراہمی میں نمایاں حصہ لیا تھا۔[3] یہ درسگاہ 1885ء میں "سندھ مدرستہ الاسلام" کے نام سے قائم ہوئی اور آج تک قائم ہے۔ یہ درسگاہ پہلے بولٹن مارکیٹ کے نزدیک ایک مکان میں قائم کی گئی تھی۔ بعد میں سندھ مدرستہ الاسلام اس جگہ منتقل ہو گیا جہاں اب ہے۔ یہاں پہلے ایک سرائے تھی جس میں اونٹوں کے قافلے ٹھہرتے تھے۔ بعد میں اسی سرائے کو حاصل کر کے وہاں سندھ مدرستہ الاسلام کی موجودہ عمارت بنائی گئی۔[4]

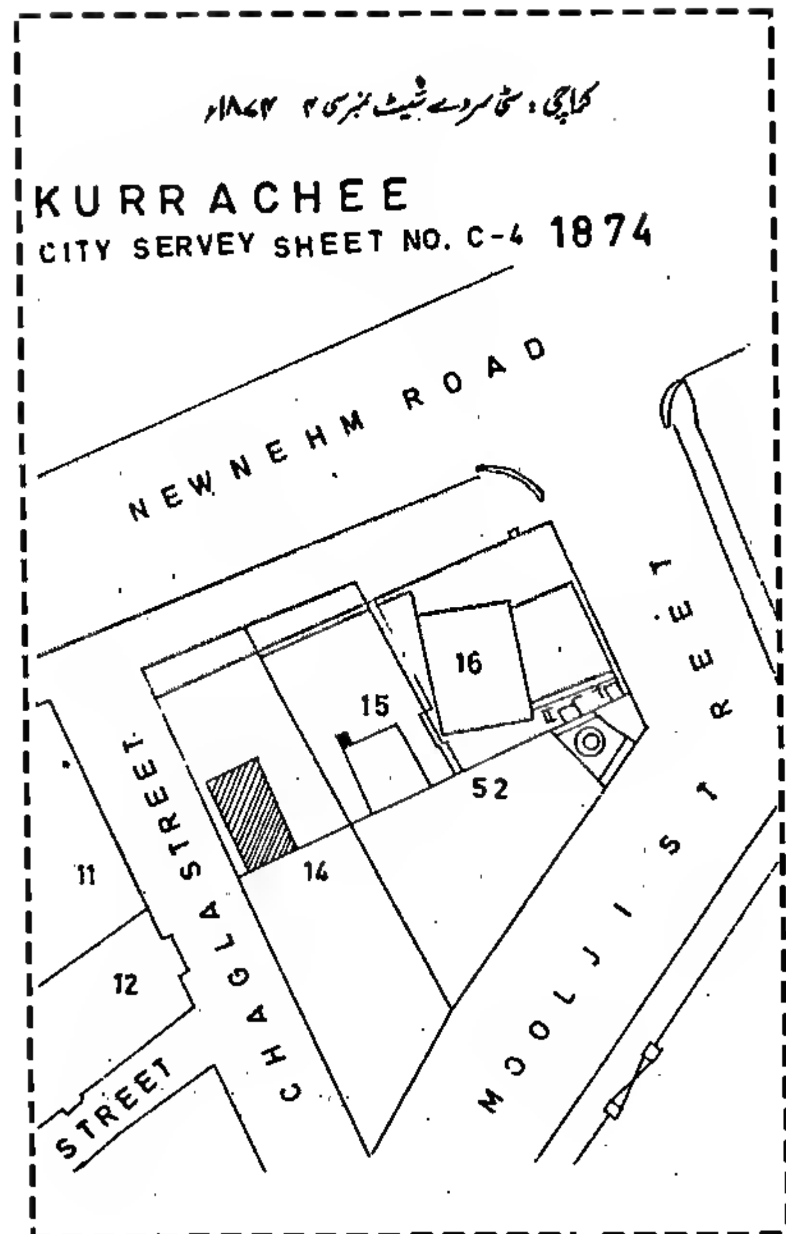
○

1- فصیل' دیوار' قلعہ' شہرپناہ' دمدمہ' پشتہ۔

2- عاشق علی لالن کا بیان۔

3- عاشق علی لالن کا بیان۔

4- عاشق علی لالن کا بیان۔



قائداعظمؒ کی پیدائش

شادی کے بعد جناح پونجاہؒ کا قیام چھاگلہ اسٹریٹ والے مکان میں تھا۔ وہیں ان کا پہلا فرزند پیدا ہوا۔ پہلوٹھی کے اس بچے کا نام خاندانی روایات[1] کے مطابق بچے کے ماموں قاسم موسیٰ نے محمد علی رکھا۔ جناح پونجاہؒ کے اپنے نام میں جو تغیرات ہوئے ان کے بعد لازمی تھا کہ مزید تغیرات ہوں' چنانچہ یہ پہلا موقع تھا کہ جناح پونجاہؒ کے گھرانے میں خالص اسلامی نام رکھنے کی ابتدا ہوئی جو بہت سے تغیرات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

مبارک سلامت کی دھوم

جناح پونجاہؒ کے پہلے فرزند کے پیدا ہونے کی خوشی سارے گھرانے میں منائی گئی۔ بچے کو دیکھنے کے لئے اور بچے کے والدین کو مبارک باد دینے کے لئے سماجی قاعدے اور دستور کے مطابق لوگوں کا تانتا بندھا' جن میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی' ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی۔ کسی گھر میں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو عورتیں خاص نظر سے اس کو دیکھتی ہیں۔ آنکھ کیسی ہے؟ ناک کیسی ہے؟ باپ پر پڑا ہے کہ ماموں پر۔ پھر یہ دیکھا جاتا ہے کہ کوئی تل یا کوئی خاص نشان چہرے' ہاتھ' پاؤں پر ہے یا نہیں' اور ہے تو کیا ہے۔ اس سے عورتیں طرح طرح کے شگون لیتی ہیں۔

پدم کا نشان

اس نومولود کو بھی ایسی ہی تجسس کی نگاہوں سے دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کے داہنے تلوے پر روپے برابر ایک نشان ہے۔ یہ دیکھنا تھا کہ سب خوشی سے چیخ اٹھے' بڑے اس کے بھاگ ہیں' بڑا نصیبہ ہے۔ خدا سلامت رکھے' اس کے تلوے پر "پدم" کا نشان ہے۔ پدم[2] کے نشان کو غیر معمولی خوش نصیبی کی علامت

1- محترمہ شیریں جناح کا بیان کہ ہمارے خاندان میں ماموں اپنے بھانجے کا نام رکھتے ہیں۔

2- محترمہ شیریں جناح نے اپنے بزرگوں سے پدم کے بارے میں سنا تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے بھائی جان سے یہ نشان دیکھنے کی اجازت چاہی تو قائدؒ نے انگریزی میں کہا کہ "شیریں تو ہم پرستی میں نہ پڑو۔" لیکن جب انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو دیکھنے کی اجازت دے دی۔

قرار دیا جاتا تھا۔ مشرق میں عام طور پر جیسے یہ مشہور ہے کہ جس شخص کے سر پر "ہما" کا سایہ پڑ جائے وہ بادشاہ ہو جاتا ہے' ویسے ہی اس "پدم" کے بارے میں مشہور تھا بلکہ شاید اب بھی ہے کہ جس کے تلوے پر یہ نشان ہو وہ بڑا ہو کر ایک دن بادشاہ بنتا ہے۔ اس نومولود کے والدین کو اور خاندان والوں کو بچے کی پیدائش پر مسرت تو تھی ہی' اس خاص نشان کی وجہ سے جو خوشخبریاں اور مبارکبادیاں ملیں تو ان کی مسرت دوبالا ہو گئی۔ ویسے بھی ہر ماں کے دل میں یہی آرزو ہوتی ہے کہ اس کا بچہ بڑا ہو کر بہت بڑا آدمی بنے۔ مائیں اپنے بچوں کو لوریاں بھی ایسی ہی دیتی ہیں اور راجہ اور بادشاہ کے نام سے پکارنے بھی لگتی ہیں' بلکہ فال نیک کے لئے ویسے ہی نام بھی تلاش کئے جاتے ہیں جن میں بڑائی' عظمت اور شوکت و عزت کا پہلو نمایاں ہو۔ اس بچے کا نام "محمد علی" رکھا گیا۔ اس نام میں کیسی برتری' کیسی عظمت اور شوکت و عزت تھی' وہ ظاہر ہے۔ اس غیر معمولی نشان کی خبر سن کر اور زیادہ لوگ بچے کو دیکھنے کے لئے آتے رہے اور اپنے اپنے انداز سے اظہار خیال بھی یقیناً کرتے رہے لیکن یہ صرف آرزوؤں کا اظہار تھا۔ اس وقت یہ خبر کسی کو نہ تھی کہ ایک دن یہی بچہ جب بڑا ہوگا تو واقعی اس کے ہاتھوں قدرت اس برِعظیم کی تقدیر سازی کی خدمت انجام دلوائے گی اور وہ ملک و ملت کو محکومی کے شکنجے سے نکالے گا۔ آزاد کرائے گا اور قائداعظمؒ مشہور ہوگا۔

چھٹی کی رسم

بچے کی پیدائش پر خصوصاً جب بچہ پہلوٹھی کا ہو تو بڑی دھوم دھام ہوتی ہے۔ تقریبوں پر تقریبیں منعقد کی جاتی ہیں' گانے بجانے اور اظہار مسرت کے بہانے تلاش کئے جاتے ہیں اور جہاں ہندو مسلمان سب ایک ساتھ ہوں وہاں کچھ اِن کی رسمیں اُن کی رسمیں' سب مل جل کر گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ مسلمانوں اور ہندوؤں نے صدیوں ایک ساتھ پہلو بہ پہلو اور دیوار بہ دیوار رہ کر بسر کئے ہیں۔ اس کی وجہ سے' نیز اس وجہ سے کہ بہت سے ہندو گھرانے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تو بنیادی اسلامی تعلیمات کے باوجود ان کے یہاں بعض پچھلی ہندوانہ رسمیں باقی رہ گئیں۔ انہیں میں سے ایک رواج یہ تھا کہ بچے کی پیدائش کے چھٹے دن ایک خاص تقریب انجام دی جاتی تھی جسے عام پر "چھٹی" کہتے تھے۔ یہ "چھٹی" ہندوؤں میں بھی ہوتی تھی اور مسلمانوں میں بھی اور دونوں کے یہاں مذہبی نقطۂ نظر سے اس کی انجام دہی میں فرق ہوتا تھا۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کا فرق

ہندوؤں کا یہ عقیدہ تھا کہ اس دن "چھٹی ماتا" نام کی کوئی دیوی آتی ہے جو بچے کے بھاگ لکھ جاتی ہے۔ یہی ان کے نزدیک گویا کاتبِ تقدیر ہے' لہٰذا اس عقیدے کی بنا پر چھٹے دن اسی قسم کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بچے کے قریب ایک خوبصورت اور رنگین قلم کے ساتھ زعفران یا عبیر اور گلال کی بنی ہوئی روشنائی

اور ایک "چوپڑی" یعنی "بہی" رکھ دی جاتی تھی تاکہ بچے کے بھاگ میں بہت اچھائیاں اور بہت خوش رنگیاں لکھی جائیں۔ اس قسم کی رسمیں برِعظیم کے بیشتر علاقوں میں اب بھی رائج ہیں مگر شہروں میں کم یا بہت کم اور دیہاتوں میں بہت زیادہ۔ مسلمان توحید کے قائل ہیں۔ وہ اللہ کے سوا اور کسی کو بھی کاتب تقدیر یا تقدیر میں دخل انداز تسلیم نہیں کرتے۔ وہ صرف خوشیوں کے اظہار کی حد تک ایسی تقریبیں کرتے ہیں۔ ان میں مذہب کے بنیادی اصولوں کو نمایاں رکھتے ہیں اور مشرکانہ عقائد سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسرے گھرانوں کی طرح جناح پونجاؒ کے گھرانے میں بھی چھٹی کی رسم ہوتی آئی تھی لیکن اس نومولود کا نام جہاں "محمد علی" رکھا گیا اور "خالص اسلامی" نام رکھنے کی ابتدا کی گئی وہاں ایسی رسموں کا بھی خاتمہ کیا گیا جن میں ہندوانہ باتیں شامل ہوں۔

اذان اور عقیقہ

جناح پونجاؒ کے گھرانے میں بچے کے کان میں اذان کہنا ضروری تصور کیا جاتا تھا۔ یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے قبل اس خاندان میں یہ رواج کب سے شروع ہوا۔ اس کے علاوہ اسلامی احکام کے مطابق بچے کا عقیقہ بھی ہوا اور جس دن عقیقہ ہوا اسی دن "محمد علی" نام رکھا گیا اور رواج کے مطابق ان کے نام میں جناح بھائی کا لاحقہ بھی شامل ہوا۔

جناح پونجاؒ کی اولادیں

جناح پونجاؒ کے یہاں 1876ء سے 1893ء تک کل آٹھ اولادیں ہوئیں۔ چار بیٹے اور چار بیٹیاں' جن کے ناموں کی ترتیب اور پیدائش کے سین کا اندازہ یوں ہے:۔

1- محمد علی	1876ء	2- رحمت بی	1878ء
3- بندہ علی	1880ء	4- مریم بی	1882ء
5- احمد علی	1886ء	6- شیریں بی	1888ء
7- فاطمہ بی	1891ء	8- بچو	1893ء[1]

آخری بیٹے "بچو" کا انتقال عقیقے سے پہلے ہی ہو گیا تھا اس لئے اس کا کوئی نام نہ رکھا جا سکا۔ اُسے بچو'

1- پاکستان نامی کتاب سیکشن نمبر 1 محمد علی جناح مطبوعہ 1976ء لندن صفحہ 430 پر جناح پونجاؒ کے بیٹے اور بیٹیوں کی تعداد صرف سات بتائی گئی ہے جس میں آخری بچے کا ذکر نہیں ہے۔ بندہ علی کو آخری بچہ بتایا گیا ہے جو غلط ہے۔ بندہ علی جناح پونجاؒ کے دوسرے بیٹے تھے۔

بچّو کہا جاتا تھا اور اس کے مرنے کے بعد یہی نام زبانوں پر رہا۔ پھر بندہ علی نے کم سنی میں انتقال کیا۔ ان دو بچوں کے علاوہ باقی دو بیٹوں اور چار بیٹیوں نے لمبی عمریں پائیں اور اب 1976ء میں جب جناح پونجاہؒ کے سب سے بڑے بیٹے محمد علی جناح کی صد سالہ سالگرہ منائی جا رہی ہے' جناح پونجاہؒ کی اولادوں میں محترمہ شیریں جناح کے سوا اور کوئی باقی نہیں۔ محترمہ شیریں جناح بتاتی ہیں کہ:۔

''ہم نے اپنے گھر کے بزرگوں سے سنا ہے کہ رحمت بی کے بعد بندہ علی پیدا ہوئے' پھر مریم بی پیدا ہوئیں مگر بندہ علی اس کے بعد ہی مرگئے تو ماں کی بڑی آرزو تھی کہ اب کی ان کے یہاں لڑکا پیدا ہو۔ دو سال کا عرصہ گزر گیا اور لڑکا پیدا نہ ہوا تو انہوں نے بڑی دعائیں کیں اور منتیں مانیں۔ آخر مریم کی پیدائش کے بعد احمد علی پیدا ہوئے۔ احمد علی کی پیدائش پر ماں کو بے انتہا خوشی ہوئی۔ انہوں نے سونے چاندی کے پھول بنوائے اور ان پھولوں کی چادر مزاروں پر چڑھائی اور بڑی دھوم دھام ہوئی۔ عجیب اتفاق ہے کہ بچوں کی ولادت کا سلسلہ کچھ اس طرح ہوا کہ پہلے ایک لڑکا ہوا' پھر لڑکی' پھر لڑکا ہوا اور پھر لڑکی' پھر احمد علی پیدا ہوئے اور ان کے کوئی دو سال بعد میں پیدا ہوئی۔ میں اپنی صورت شکل کے اعتبار سے ویسی ہی تھی جیسی میری ماں' اس لئے سب نے مجھے شیریں شیریں کہنا شروع کر دیا اور میں سچ مچ شیریں ہو گئی۔ یہی میرا نام پڑ گیا۔ باپا اور گھر والے مجھے چھوٹی شیریں کہتے تھے۔ میری ماں کا نام سارے گھرانے میں اب شیریں نہ تھا بلکہ ''میٹھی'' مشہور ہو چکا تھا۔ میرے پیدا ہونے کے بعد عام خیال تھا کہ اب کی بیٹا پیدا ہوگا لیکن میرے بعد فاطمہ پیدا ہوئی اور 1891ء میں فاطمہ نے یہ سلسلہ توڑ دیا۔''

فاطمہ جناحؒ کیا سلسلہ توڑتیں خدا کو یہی منظور تھا۔ خدا نے جو چاہا وہی ہوا' البتہ فاطمہ جناحؒ اپنی طبیعت' مزاج اور عمل کے لحاظ سے ساری عمر بیٹی کی بجائے بیٹا ہی بنی رہیں اور اپنے بھائی قائداعظمؒ کی خدمت بہن کی طرح نہیں بلکہ بھائی کی طرح کرتی رہیں اور ان کی قوت بازو ثابت ہوئیں۔

محترمہ شیریں جناح نے مزید بیان کیا کہ:۔

''فاطمہ کے بعد 1893ء کے لگ بھگ بچّو پیدا ہوا تھا لیکن اس کی پیدائش کے ساتھ ہی کچھ پیچیدگیاں ایسی ہوئیں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں بچو بھی چل بسا اور ماں بھی اس کے بعد زندہ نہ رہ سکیں۔''



قائداعظمؒ کی تاریخ پیدائش ـــــ ایک جائزہ

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی تاریخ پیدائش ایک زمانے سے موضوع بحث رہی ہے اور ماضی میں متعدد بیانات شائع ہوئے ہیں۔ کسی نے ایک تاریخ کو حق بجانب ثابت کرنا چاہا کسی نے دوسری کو۔ لیکن اب تک جو شواہد سامنے آچکے ہیں ان کی روشنی میں 1870ء یا 1873ء یا 1874ء یا 1875ء یا 1876ء قرار پا سکتا ہے۔

لیکن 20/ اکتوبر 1875ء جو کبھی کبھی بڑے اعتماد سے قائداعظمؒ کی تاریخ پیدائش کے طور پر بیان کر دی جاتی ہے اس کی نسبت تو مسٹر جے سی گلوسٹر جوائنٹ جج کراچی نے 1896ء ہی کے ایک مقدمے کے دوران لکھ دیا ہے کہ یہ ''معقول شہادت سے بالا نہیں ہے۔'' یہ مقدمہ وہ تھا جس میں نوخیز محمد علی جناح مدعا علیہ نمبر 2 تھے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ قائداعظمؒ کی تاریخ پیدائش 25/ دسمبر 1876ء جو عام طور پر تسلیم شدہ ہے وہ بغیر کسی تائید و توثیق کے نہیں ہے۔

نوخیز محمد علی جناح کا پہلا داخلہ 4/ جولائی 1887ء کو سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی میں ہوا تھا' مگر وہاں تاریخ پیدائش یا ماہ پیدائش کا کوئی اندراج نہیں ہے۔ وہاں صرف ان کی عمر درج ہے' چودہ سال۔ اب اگر 1887ء میں وہ چودہ سال کے تھے تو ان کی پیدائش کا سال 1873ء ہونا چاہیے۔

نوخیز محمد علی جناح نے چند ماہ بعد مدرسہ چھوڑ دیا اور بمبئی چلے گئے اور وہاں انجمن اسلام ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔ 23/ دسمبر 1887ء کو بمبئی سے واپس کراچی آنے کے بعد' سندھ مدرسۃ الاسلام کی پہلی جماعت میں پھر داخلہ ہوا۔

سندھ مدرسۃ الاسلام میں پہلی مرتبہ ان کی تاریخ پیدائش 20/ اکتوبر 1875ء درج کی گئی۔ غالباً یہ اندراج اس سرٹیفکیٹ کی بنا پر ہوگا جو انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی چھوڑتے وقت انہوں نے اسکول سے حاصل کی ہوگی۔

چرچ مشن اسکول کراچی میں جب 8/ مئی 1892ء کو ان کا داخلہ ہوا تو اس وقت بھی یہی تاریخ اسکول کے رجسٹر میں درج کی گئی۔

1893ء کی 5/ جون کو ان کا داخلہ لنکن اِن میں ہوا تو وہاں ان کی عمر انیس سال لکھی گئی۔ پیدائش کی صحیح تاریخ نہیں لکھی گئی کیونکہ اس زمانے میں وہاں کی روایت صرف عمر لکھنے کی تھی۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی وقت 1874ء میں پیدا ہوئے تھے۔

یہاں کراچی میں اسکول کے رجسٹر میں' جو 1896ء کے مقدمے کے وقت مسٹر جے سی گلوسٹر جوائنٹ جج کراچی کی عدالت میں پیش کئے گئے تھے' مدعی کی طرف سے یہ بیان کیا گیا تھا کہ محمد علی جناح کی عمر چھبیس سال ہے۔ اس کی بنا پر سال پیدائش 1870ء ہو جاتا ہے۔ اس مقدمے میں جو تنقیحات سامنے آئی تھیں ان میں ایک تنقیح یہ بھی تھی کہ "کیا نوخیز محمد علی جناح نابالغ تھے جب انہوں نے 27/ نومبر اور 2/ دسمبر 1892ء کو دو ہُنڈیوں پر دستخط کئے تھے؟" یہ مقدمہ محمد علی جناح کے حق میں ہوا جس پر مدعی کی طرف سے اپیل داخل ہوئی اور وہ اپیل بھی خارج ہو گئی۔

اگرچہ جج کے لئے یہ ضروری نہ تھا کہ نوخیز جناح کی نابالغی کے مسئلے پر وہ کوئی تحقیق و انکشاف پیش کرے' تاہم فاضل جج نے یہ لکھا کہ "ان سرٹیفکیٹوں کی صحت کے بارے میں کوئی سوال کئے بغیر' (جو 1887ء یا دوسری تاریخوں کی ہیں) جن سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مدعا علیہ نمبر2 (محمد علی جناح) 20/ اکتوبر 1875ء کو پیدا ہوئے تھے' یہ انسب ہو گا کہ ایک فیصلہ (فائنڈنگ) ریکارڈ کر دیا جائے۔

"اب یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ ان سرٹیفکیٹوں کے دیکھنے سے ہم اس بیان سے زیادہ کچھ نہیں پاتے جو مدعا علیہ نمبر2 کے والد نے دیا ہے۔ 1887ء میں یہی بیان دیا گیا تھا۔ شبہ کرنے کی کوئی وجہ ہم نہیں پاتے۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ کیا ان بیانات کی صحت کافی حد تک ثابت ہے؟"

فاضل جج نے مزید یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ "مدعا علیہ نمبر2 کی پیدائش کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے ....." 1896ء کے اپریل میں مدعا علیہ کا تاثر یہ تھا کہ وہ اکیس سال کے اندر تھے اور اگرچہ پوری کوشش کی گئی ہے کہ مختلف مقامی واقعات' پڑوس کے' خاندان کے اور دوسرے پیش کر کے تاریخ متعین کر دی جائے لیکن تمام شہادتوں کا حاصل' میری رائے میں' یہ نہیں ہے کہ مدعا علیہ کا اکتوبر میں پیدا ہونا معقول شبہات سے بالا قرار پا کر ثابت ہو جائے۔ جیسا کہ چاہا جا رہا ہے' اکتوبر یا کسی اور مہینے کو متعین کرنے سے میرے نزدیک مسئلہ کچھ بھی آگے نہیں بڑھتا۔

"مگر واضح ہے کہ جب عمر کا سرٹیفکیٹ طلب کیا گیا ہے تو اسے قطعی طور پر متعین ہونا چاہئے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا صحیح طور پر اس کا تعین ہو سکا۔"

مذکورہ بالا رائے صاف طور پر یہ بتاتی ہے کہ نوخیز محمد علی جناح کی تاریخ پیدائش 20/ اکتوبر 1875ء قرار دینا' اس کے باوجود کہ قائداعظمؒ کے والد اس کے برخلاف بتا رہے ہوں اور اصرار کر رہے ہوں' معقول شبہات سے بالا ہرگز نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ اندراج سندھ مدرستہ الاسلام کے رجسٹر میں پیدائش کی تاریخ سے متعلق سب سے پہلا ہے مگر ان کے داخلے کا پہلا اندراج' جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے' ماہ پیدائش اور سال پیدائش کے تذکرے سے خالی ہے اور صرف اتنا لکھا ہے کہ عمر چودہ سال ہے۔ اگر عدالت نے اس دوسرے اندراج پر غور کیا ہوتا تو یقیناً اس کا شبہ اور بڑھ جاتا۔

1900ء سے قائداعظمؒ کی سالگرہ سوسائٹی میں قائم ہو چکی تھی۔ ہر سالگرہ پر ان کے دوست احباب اور رفقا ان کو مبارک بادیں بھیجتے ہوں گے۔ ان کے ساتھی ان کی قانونی اور سیاسی زندگی کے آغاز ہی سے ان کی سالگرہ کے دن سے واقف ہوں گے۔ مسز سروجنی نائڈو ان کے مداحوں میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "محمد علی جناح۔ این ا ۔میسڈر آف یونٹی" میں 25/ دسمبر ہی قائداعظمؒ کی تاریخ پیدائش درج کی ہے لیکن سال کے بارے میں ان کو پورا یقین نہیں تھا۔

جن برسوں میں گول میز کانفرنسیں لندن میں منعقد ہوئیں' قائداعظمؒ وہیں تھے اور وہیں اپنے قیام کے دوران پاسپورٹ کی درخواست دی اور یہ پاسپورٹ لندن میں بنا۔ اس درخواست میں قائداعظمؒ نے اپنی تاریخ پیدائش کا فیصلہ کیسے کیا' یہ نہیں معلوم۔

25/ دسمبر 1940ء کو ایک یادگار رسالہ (سووینیر) ان کی چونسٹھویں سالگرہ کے موقع پر شائع ہوا جس میں مختلف زعمائے' ان کے مداحوں نے اور دوستوں نے خراج تحسین ادا کیا ہے اور یہ یادگار رسالہ چاندی کی تشتری میں دکن ٹائمز کے ایڈیٹر مسٹر محمود حسن نے کراچی میں قائداعظمؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ یہ مسٹر محمود حسن "ڈان" دہلی کے جنرل مینیجر ہو گئے تھے۔

پھر 27/ نومبر 1946ء کو قائداعظمؒ نے نئے پاسپورٹ کے لئے درخواست دی۔ اس پر ان کے دستخط موجود ہیں اور بیگم یوسف عبداللہ ہارون نے اس پر تصدیق ثبت کی ہے جو اس وقت "جسٹس آف پیس" تھیں۔ اس میں بھی جائے پیدائش کراچی درج ہے اور تاریخ پیدائش 25/ دسمبر 1876ء مرقوم ہے۔ پاسپورٹ کے لئے یہ درخواست حکومت سندھ کو پیش کی گئی تھی جس کے ساتھ قائداعظمؒ کا ایک خط بھی منسلک تھا۔ اس دستاویز کا عکس آپ کے سامنے ہے۔ یہ پاسپورٹ 28/ نومبر 1946ء کو حکومت سندھ نے جاری کیا۔ قائداعظمؒ نے 30/ اپریل 1946ء کو "انجام ویکلی" کے سوالات کے جواب میں یہ فرمایا تھا کہ پیدائش کی بابت معلومات جو آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

وقت : صبح کا
تاریخ : 25/ دسمبر 1876ء
مقام : کراچی[1]

ان تمام معلومات کی روشنی میں جو دستیاب ہیں تاریخ پیدائش کے اکادمی تیقن سے قطع نظر' ذاتی طور پر میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قائداعظمؒ کی تاریخ پیدائش 25/ دسمبر 1876ء کا اس قدر عمومی انداز سے تسلیم شدہ متصور ہونا بلا سبب ہرگز نہیں ہے۔

1- ۔۔پلین مسٹر جناح۔از۔سید شمس الحسن صفحہ 71 (اردو ترجمہ ... صرف مسٹر جناح۔ صفحہ 81)

قائداعظمؒ کے سوانح نگاروں نے اور درسی کتابوں نیز "پاکستان" نامی کتاب میں یہ درج ہے کہ قائداعظمؒ کی ولادت کا دن اتوار تھا۔ یہ بات بھی درست نہیں۔ پچھلی کسی تاریخ کا دن متعین کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ دن نکالنے کا ایک مقررہ طریقہ ہے۔ اسی بنیاد پر ہزاروں سال پیچھے اور آگے کے کیلنڈر تیار کئے جاتے ہیں۔ ان کیلنڈروں میں المانک پر پیچولی کیلنڈر بہت مشہور ہے۔ اس کے مطابق 25/ دسمبر 1876ء دوشنبہ (سوموار) کا دن ہے۔

کچھ درسی کتابوں میں قائداعظمؒ کا مولد "جھرک" بتایا گیا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ علاوہ اس کے کہ قائداعظمؒ کے لندن اور کراچی کے پاسپورٹ میں جائے پیدائش کراچی درج ہے۔ قائداعظمؒ نے خود 1913ء[1] اور 1947ء[2] میں اپنی تقریروں میں اپنا مولد کراچی بتایا ہے۔

○

1- آل انڈیا کانگریس کا اجلاس منعقدہ کراچی مورخہ 26/ دسمبر 1913ء

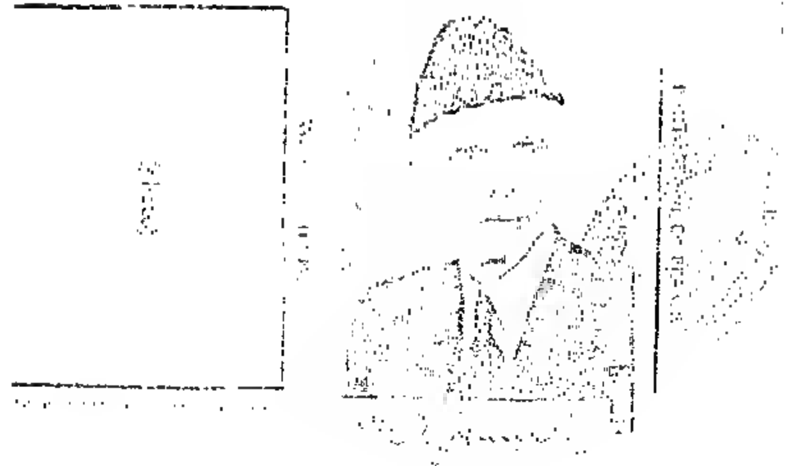
2- سرہدایت اللہ کے استقبالیہ عشائیے میں قائدؒ کی تقریر۔ مورخہ 9/ اگست 1947ء

قائداعظمؒ کا پاسپورٹ — 28 نومبر 1946ء

DESCRIPTION
SIGNALEMENT

Wife - Femme

CHILDREN - ENFANTS



تعلیم کا آغاز

جناح پونجاہؒ نے اپنے بچوں کی تعلیم کی طرف خاص توجہ کی۔ ان کے سب سے بڑے فرزند محمد علی کی تعلیم کا آغاز کراچی کے مدرستہ الاطفال (انفینٹ ورناکلر اسکول) سے ہوا، جہاں انہوں نے گجراتی کی چوتھی جماعت تک تعلیم پائی۔

سندھ مدرستہ الاسلام میں داخلہ

محمد علی کے والد جناح پونجاہؒ مشن اسکول کے معلم تھے مگر بیٹے کو اسکول میں داخل کرنے کا وقت آیا تو اس کو مشن اسکول کے بجائے سندھ مدرستہ الاسلام میں داخل کرایا۔ جناح پونجاہؒ صرف تاجر ہی نہ تھے معلم بھی تھے۔ بچپن کی تعلیم اور اس کے اثرات سے آگاہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ایک بچہ کی ذہنی ساخت اور کردار سازی میں کون کون سی چیزیں دخیل ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ان لوگوں کو ہاتھ بٹانے والے بھی تھے جنھوں نے کراچی میں مدرستہ الاسلام کے قیام کی ضرورت محسوس کی اور اسے قائم کیا۔ وہ خود گھر پر بچوں کو قرآن شریف پڑھاتے تھے اور ماں بچوں کو مذہبی تاریخی کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ سندھ مدرستہ الاسلام میں محمد علی کا داخلہ 4/ جولائی 1887ء کو انگریزی کی پہلی جماعت میں ہوا۔

ایک وضاحت

قائداعظمؒ کے صد سالہ جشنِ ولادت کے سلسلہ میں لندن سے شائع ہونے والی "پاکستان" نامی کتاب کے پہلے ایڈیشن "محمد علی جناح" کے صفحہ 43 پر درج ہے کہ: "محمد علی تقریباً دس سال کی عمر میں سندھ مدرستہ الاسلام میں بحیثیت طالب علم چوتھی جماعت گجراتی میں داخل ہوئے۔ اسکول کے ریکارڈ میں درج ہے کہ وہ ایک سو چودھویں طالب علم تھے"۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد علی گجراتی کی چوتھی جماعت تک تعلیم پانے کے بعد 4/ جولائی 1887ء کو سندھ مدرستہ الاسلام کی انگریزی شاخ کی پہلی جماعت میں داخل کئے گئے۔ اسی اندراج کے ایک کالم میں ان کے گجراتی چوتھی جماعت تک تعلیم مکمل کرنا تحریر ہے۔

۱- محترمہ شیریں جناح کا بیان۔

113	Ali Mahomed Karim							
114	Mahomedali Jinnah	Karachi	4th July 1887		14			Long absence etc.
115	Ali Mahomed Bhai	Bombay	4th July 1887		9	18		
	Jinnah Poonja	Std IV Gujarati	4th July	Std I	9/9/89	Std II		
	Khoja		Std I		Std I			Left for Bombay
	Khoja	Std IV	4th July 1887	Std I	5/12/89	Std I		Joined N.T. with a certificate

(Left for Bombay)

سوانح نگار کی غلطیاں

بیکٹر بولیتھو نے محمد علی کے بچپن کا حال لکھتے ہوئے ان کو غریب ماں باپ کا بچہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کی بنیاد فاطمہ بائی زوجہ گھانجی والجی کے ایک انٹرویو پر رکھی ہے اور فاطمہ بائی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ہم لوگوں کا گھرانہ آٹھ افراد پر مشتمل تھا اور ہم سب مکان کی پہلی منزل کے دو کمروں میں رہتے تھے۔" اس سے بولیتھو نے یہ نتیجہ نکالا کہ محمد علی کے ماں باپ بہت غریب تھے۔ غریب ماں باپ کا بیٹا ہونا معیوب نہیں ہے' معیوب یہ ہے کہ بیان خلافِ واقعہ ہو اور اس سے نتیجہ غلط نکالا جائے۔ خود فاطمہ بائی کے شوہر گھانجی والجی کا عدالتی بیان ایک مقدمے کے سلسلے میں یہ موجود ہے کہ "ہم لوگ اور جناح پونجاؒ الگ الگ مکانوں میں رہتے ہیں۔"[1] اور اس عدالتی بیان کی تصدیق اسی مقدمے میں جناح پونجاؒ نے بھی کی ہے۔ ان عدالتی دستاویزوں کی موجودگی میں فاطمہ بائی کے اس قول کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے جو بولیتھو نے نقل کیا ہے' پھر فاطمہ بائی کا یہ قول اس بنا پر بھی درست نہیں ہے کہ خود جناح پونجاؒ کا گھرانہ کم از کم نو افراد پر مشتمل تھا۔ فاطمہ بائی کا اس گھر میں رہنا' اور ظاہر ہے کہ وہ تنہا نہیں تھیں' کسی طرح قابل فہم نہیں ہے۔

سروجنی نائیڈو نے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ "محمد علی جناح ایک دولت مند تاجر کے سب سے بڑے فرزند ہیں۔"[2] بولیتھو نے فاطمہ بائی کے اسی مشکوک و نادرست بیان کی بنا پر سروجنی نائیڈو کی تحریر کی تردید زور شور سے کی ہے اور یہاں تک لکھ ڈالا کہ "یہ تصویر جھوٹی ہے۔"[3] لیکن کوئی دلیل اپنے اس جملے کے حق میں نہیں دی' البتہ یہ لکھا ہے کہ "ایک اور کہانی یہ بھی کہی جاتی ہے کہ وہ اتنے غریب تھے کہ سڑک کے کنارے جلنے والے چراغ (لیمپ پوسٹ) کے نیچے بیٹھ کر اپنی کتابیں پڑھتے تھے۔" لیکن پھر خود ہی یہ بھی لکھ دیا ہے کہ "اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔"[4] اور پھر آگے چل کر یہ لکھا کہ "میں نے اس کہانی اور سروجنی نائیڈو کی کہانی کے درمیان' جناح کی حیثیت مقرر کی ہے۔"[5] حالانکہ یہ موقع "درمیانی حیثیت مقرر کرنے" کا نہیں بلکہ تلاشِ حقیقت اور اظہارِ حقیقت کا ہے۔

جہاں ایک ہی مسئلے سے متعلق دو متضاد باتیں سامنے ہوں اور دونوں باتیں اپنے اندر قوت بھی رکھتی

1- مقدمہ نمبر 167۔ 1893ء
2- محمد علی جناح — این ایمبیسیڈر آف یونٹی۔
3- جناح۔ دی کری ایٹر آف پاکستان۔ صفحہ 6
4- ایضاً۔ صفحہ 6
5- ایضاً۔ صفحہ 7

ہوں تو وہاں ایک مؤرخ اور سوانح نگار دونوں میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے' لیکن جہاں ایک بات قوی اور دوسری کمزور بلکہ بے بنیاد ہو وہاں وہ اپنے دلائل و شواہد کی بنیاد پر ایک کو قبول اور دوسری کو مسترد کرتا ہے۔ ان دونوں باتوں میں 'جن کا تذکرہ بولیتھو نے کیا ہے' ایک بات تو سروجنی نائیڈو نے 1918ء میں اپنی کتاب میں لکھی تھی 'جن کے سامنے یقیناً 10/ مئی 1900ء کا سول اینڈ ملٹری گزٹ ہو گا۔ اس اخبار میں یہی درج ہے کہ "محمد علی جناح کے والد سندھ کے پرانے اور انتہائی معزز و محترم تاجروں میں ہیں"۔ اس لئے لیپ پوسٹ والی کہانی من گھڑت ہے۔ دوسری بات از قسم افواہ ہے۔ وہ بھی 1950ء کے بعد گڑھی ہوئی اور یہ ایک ایسی "کہانی" ہے نہ جو کسی کی طرف منسوب کی جا سکتی تھی' نہ مصنف نے کسی کی طرف اسے منسوب کیا ہے' البتہ فاطمہ بائی کے ایک بیان سے اس کہانی کو قوت پہنچانے کی کوشش کی ہے لیکن یہ بیان بھی اول الذکر دستاویزی شہادت کی بنا پر ناقابل اعتماد ٹھہرتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں باتوں کو "کہانیاں" قرار دینا اور ایک مستحکم و پائیدار بیان کے مقابلے میں ایک وضعی' فرضی' بے بنیاد' بے ثبوت بات کو پیش کرنا اور بیچ کی راہ نکالنے کی کوشش کرنا حیرت انگیز ہے۔

ناول نگاری اور افسانہ نویسی کی دنیا میں تو ہمیں اپنے کسی کردار کو ایک خاص رنگ میں پیش کرنے کے لئے خیال آرائی کی بڑی وسعت ملتی ہے' لیکن سوانح نگاری اور تاریخ کا دائرہ بہت نازک ہے۔ یہاں ہمیشہ اپنے حدود کے اندر رہنا پڑتا ہے۔ یہاں خیال کی روانی اور قلم کی جولانی اتنی آزادی کبھی نہیں پاتی۔ ہمیں نہیں معلوم کہ سوانح نگاری و تاریخ نویسی کی عدالت میں ایسی تحریریں اگر پیش کی جائیں تو وہ ان کے بارے میں کیا فیصلہ صادر کرے گی۔ بالخصوص ایسی صورت میں جب خود مصنف اپنی پیش کردہ کہانیوں کے بارے میں اعتراف بھی کرتا جاتا ہو کہ "یہ مصدقہ نہیں ہیں" اور "ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا"۔ اس طرح کی بہت سی کہانیاں بولیتھو نے اپنی کتاب میں درج کی ہیں' پھر اس کتاب میں "اگر" کی تکرار بھی بہت زیادہ ہے مثلاً ایک جگہ لکھا ہے کہ "اگر محمد علی جناح کی 1876ء والی تاریخ پیدائش[1] درست ہے" حالانکہ مورخ و سوانح نگار سے توقع یہ کی جاتی ہے کہ وہ بتائے گا کہ یہ تاریخ درست ہے یا غلط ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ لکھا ہے کہ "اور اگر 1876ء ان کا سال پیدائش ہے تو پھر وہ سات دن اس سے پہلے پیدا ہوئے جس دن ملکہ وکٹوریہ قیصرِ ہند بنی"۔[2] یہاں بھی ظاہر ہے کہ سال پیدائش کی تحقیق و توثیق یا تردید کا موقع تھا۔ ملکہ وکٹوریہ کے قیصرِ ہند بننے نہ بننے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ تیسری جگہ لکھا ہے کہ "اور اگر 1876ء کو ان کا سال پیدائش تسلیم ہی کرنا پڑے تو جب انہوں نے امتحان پاس کیا تو ان کی عمر اٹھارہ سال کی نہیں تھی۔ یہ لا سوسائٹی کے ریکارڈ میں لکھا ہوا ہے۔"[3] اور لطف کی بات یہ ہے کہ پھر خود ہی یہ بھی لکھ دیا کہ "لا سوسائٹی کا

1- جناح۔ دی کری ایٹر آف پاکستان۔ صفحہ 3
2- ایضاً۔ صفحہ 4-3
3- ایضاً۔ صفحہ 8

ریکارڈ جنگ کے زمانے میں کسی محفوظ مقام پر منتقل کر دیا گیا تھا جو مجھے نہیں ملا۔"[1] جس کے بعد لازماً یہ سوال پیدا ہو گا کہ جب "لا سوسائٹی کا ریکارڈ ملا ہی نہیں" تو پھر یہ "کس ریکارڈ میں لکھا ہوا" دیکھا۔

ایک قاری کے لئے یہ بات بڑی پریشان کن ہوتی ہے کہ جو کتاب اس کے مطالعہ میں ہو وہ یقین فراہم کرنے سے قاصر رہے اور صرف شکوک آفرینی کرتی چلی جائے۔ شکوک آفرینی بھی ایک فن ہے لیکن تاریخ و سوانح سے الگ اس کا میدان ہے۔ اغلب یہی ہے کہ بولیتھو کو اس سوانح کے سلسلے میں مستند کاغذات نہ کراچی اور بمبئی وغیرہ میں دستیاب ہوئے نہ لندن میں۔ حالانکہ مستند کاغذات اور دستاویزی معلومات کی کمی نہ یہاں تھی نہ وہاں۔

جناح پونجاہؒ کے کاروبار کی وسعت

جناح پونجاہؒ مشن اسکول میں معلم بھی تھے اور بڑے تاجر بھی۔ والجی پونجا اینڈ کمپنی کے نام سے ان کا جو کاروبار جاری تھا وہ اتنا پھیلا اور اس کے پھیلاؤ نے ان کی توجہ اتنی شدت سے اپنی طرف کھینچی کہ آخر کار وہ اپنے پسندیدہ مشغلہ معلمی کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کمپنی کا دفتر ان کے رہائشی مکان کے قریب ہی کرائے کے ایک اور مکان میں تھا۔ وہ اس کمپنی کی مرکزی شخصیت تھے۔ اس کے مختار بھی تھے' منتظم بھی اور حصہ دار بھی۔ ان کا کاروبار چمڑے' گوند اور مچھلیوں کا تھا مگر اب ان کی توجہ زیادہ تر بیرونی تجارت پر مرکوز ہو گئی۔ وہ بڑے "ایکسپورٹر" ہو گئے تھے۔ برطانوی تجارتی کمپنیوں سے ان کا کاروبار تھا۔ وہ ان کو فش ماؤز[2] فراہم کرتے تھے جن کی طلب برطانیہ اور چین میں بہت تھی۔ یہ لاکھوں روپے کا کاروبار تھا جس کے لئے انہوں نے بمبئی اور دوسرے ساحلی شہروں میں اپنے دفاتر قائم کر لئے تھے[3] اور یہ تمام دفاتر کراچی کے صدر دفتر کے ماتحت کام کرتے تھے۔ خود کراچی میں بھی خریداری کے متعدد مراکز قائم تھے۔ ایک مرکز "میانی" میں ایک "شمس" یعنی موجودہ بھیٹ آئی لینڈ میں' اور ایک "کُنڈ" میں تھا۔ یہ سارے مراکز کراچی کے مختلف علاقوں میں واقع تھے۔

1- جناح۔ دی کری ایٹر آف پاکستان۔ صفحہ 8
2- مچھلیوں کی آنتیں جن سے جلوٹین بنتی ہے' اسے آیسن گلاس بھی کہتے ہیں۔
3- مقدمہ نمبر 99۔ 1890ء اور دوسرے مقدموں میں والجی پونجا اینڈ کمپنی کے علاوہ دستاویزات میں جناح پونجاہ کمپنی کا نام نہیں ملتا۔ کتاب "پاکستان" مطبوعہ 1976ء لندن کے صفحہ 42 پر جناح پونجا اینڈ کمپنی کے مندرجہ نام کا ثبوت نہیں۔

سمندر میں لانچ اتارنے کی تقریب

ان کے پاس چھوٹی بڑی کشتیاں بھی سمندری ضروریات کے لئے تھیں' پھر انہوں نے ایک بڑی لانچ خاص اہتمام سے تیار کروائی اور جب یہ لانچ بن کے تیار ہوئی تو اس کو سمندر میں اتارنے کی ایک تقریب بھی بڑے اہتمام سے انجام دی۔ یہ تقریب جب انجام پائی تو اس وقت ان کے بڑے فرزند محمد علی کی عمر تقریباً دس سال تھی۔ وہ بھی اس تقریب کی ہماہمی میں شریک تھے۔ اس لانچ کے "ناخدا" ابوبکر تھے جن کو عام طور پر لوگ "بکر بھائی" کہہ کر پکارتے تھے۔ اس ناخدا کے بیٹے ہارون نے' جن کی عمر 1974ء میں ایک سو پندرہ سال تھی اور اس تقریب کے وقت پختہ عمر کے جوان تھے' چشم دید واقعات و حالات بیان کئے تو بڑی بے تکلفی سے اپنی زبان میں کہا کہ "جناح پونجاؒ کا بابا محمد علی چھوٹا سا ایک چھوکرا تھا اور لنگا اور دگلا پہنے ہوئے تھا۔ لانچ سمندر میں اتاری گئی تو وہ بھی خوشی کے جوش میں اس پر سوار ہو گیا۔ لانچ سمندر میں گشت لگاتی پھری اور جب واپس آئی تو اس کے بعد سب لوگوں میں کھجوریں تقسیم کی گئیں۔ اس زمانے میں کھجور کی بڑی بوری دو روپے میں آتی تھی"۔ ہارون سے جب پوچھا گیا کہ "لنگے" سے کیا مراد ہے تو انہوں نے مسکرا کر کہا کہ "ڈھیلا پاجامہ"۔ پھر ان سے یہ بھی پوچھا گیا کہ ولایت سے واپسی کے بعد آپ نے جناح پونجاؒ کے بابا کو کب دیکھا تو ہارون نے بے ساختہ کہا کہ "میں نے تو پھر اسی وقت اس کو دیکھا جب وہ کراچی میں بادشاہ ہو کے آیا"۔ اور ہارون نے یہ بھی بتایا کہ اس تقریب کے موقع پر جو لانچ پانی میں اتاری گئی تھی اس کا نام جناح رکھا گیا تھا۔

محمد علی انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی میں

محمد علی نے 1887ء میں داخلہ لینے کے بعد چند ہی مہینے سندھ مدرستہ الاسلام میں تعلیم پائی تھی کہ ان کو بمبئی جانا پڑا جہاں ان کے ماموں قاسم موسیٰ رہتے تھے اور جہاں ان کے والد نے اپنا دفتر بھی قائم کر رکھا تھا۔ مطلوب الحسن سید اور ہیکٹر بولیتھو دونوں نے یہ لکھا ہے کہ محمد علی جناح نے بمبئی کے "گوکل داس تیج پال اسکول"[1] میں تعلیم پائی۔ لیکن یہ بیان درست نہیں ہے۔ محمد علی جناح بمبئی گئے تو وہاں ان کا داخلہ انجمن اسلام ہائی اسکول میں انگریزی کی پہلی جماعت میں ہوا۔ "پاکستان" نامی کتاب مطبوعہ لندن کے صفحہ 44 پر لکھا ہوا ہے کہ قائداعظمؒ نے انجمن اسلام اسکول سے چوتھی گجراتی پاس کی۔ یہ بھی درست نہیں ہے۔

1- محمد علی جناح' اے پولٹیکل سٹڈی۔ صفحہ 2 جناح' دی کری ایٹر آف پاکستان۔ صفحہ 2

دوبارہ سندھ مدرستہ الاسلام میں

بمبئی سے کراچی واپس آکر انہوں نے 23/ دسمبر 1887ء کو پھر سندھ مدرستہ الاسلام ہی میں داخلہ لیا اور اسی درجے میں لیا جس کو چھوڑ کر وہ بمبئی گئے تھے۔ سندھ مدرستہ الاسلام کے رجسٹر میں (سلسلہ نمبر 178 پر) واضح لفظوں میں یہ درج ہے کہ بمبئی میں انہوں نے انجمن اسلام ہائی اسکول میں داخلہ لیا تھا اور وہاں سے واپس آکر پھر مدرستہ الاسلام میں داخل ہوئے۔ یہاں اس کا تذکرہ بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ داخلے کے رجسٹر پر انہوں نے پہلی مرتبہ گجراتی میں دستخط کئے تھے۔

یہاں چند ہی ماہ بعد امتحان ہوا اور اس امتحان میں کامیاب ہو کر وہ اوپر کے درجے میں پہنچے۔ سندھ مدرستہ الاسلام میں انہوں نے تیسرے درجے تک اپنی تعلیم برابر جاری رکھی۔

مدرسہ سے طویل غیر حاضری

اس کے بعد جب وہ چوتھے درجے میں تھے تو ان کا نام "طویل غیر حاضری" کی بنا پر 5/ جنوری 1891ء کو رجسٹر سے خارج کر دیا گیا۔ یہی زمانہ ہے جب جناح پونجاہؒ کے کاروبار میں خسارہ ہوا۔[1] ان کا کاروبار کچھ معمولی نہ تھا۔ اتنے پھیلے ہوئے کاروبار کا خسارہ، بے پناہ الجھنیں، پریشانیاں اور مصیبتیں ساتھ لاتا ہے۔ سارا خاندان متاثر ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ جناح پونجاہؒ بڑی سے بڑی مصیبت کے دور میں بھی ہمت ہارنے والے نہ تھے اور بعد کے واقعات بتاتے ہیں کہ مایوسی ان کے پاس نہ پھٹکی۔ حالات کا مقابلہ انہوں نے پامردی سے کیا۔ تاہم یہ مقابلہ بھاگ دوڑ کے بغیر ممکن نہ تھا۔ جس زمانے میں وہ ادھر اُدھر کی دوڑ دھوپ میں ہوں گے، گھریلو ضروریات اور دفتر کی دیکھ بھال کے لئے بھی کسی کی ضرورت تھی۔ ممکن ہے اسی ضرورت نے محمد علی کو مدرسے کی حاضری سے معذور رکھا ہو۔ دوسرا اور کوئی سبب اس طویل غیر حاضری کا موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہی زمانہ ہے جب کراچی میں طاعون شروع ہو گیا تھا۔ اس کا تذکرہ ہمیں چرچ مشن اسکول کے رجسٹر میں ملتا ہے جس کی وجہ سے بھی بہت سے لڑکے اسکول سے غائب رہے تھے۔

والکٹ برادرس کا مقدمہ

جناح پونجاہؒ کے کاروبار کو 91-1890ء میں نقصان ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی کا روپیہ جو چاروں طرف پھیلا ہوا تھا اس کی وصول یابی کا سلسلہ تعطل میں پڑ گیا اور جولائی 1890ء میں ایک مقدمہ[2] دائر

---

1. مقدمہ نمبر 11۔ 1896ء کے مدعی کا بیان۔
2. مقدمہ نمبر 99۔ 1890ء

کیا تھا۔ یہ کمیشن اور دوسرے اخراجات کا مقدمہ تھا اور نو ہزار ایک سو انیس روپے، نو آنے، نو پائی کا تھا اور اسے بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ یہ کمیشن وغیرہ کا مطالبہ اسی سال اپریل اور جون کے درمیان کا تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت جو مال بھیجا گیا ہو گا وہ کتنی مالیت کا ہو گا، جب کمیشن کی رقم اتنی تھی۔ اسی دعوے میں برطانوی کمپنی نے یہ تذکرہ بھی کیا تھا کہ یہ لوگ بمبئی، کراچی اور دوسرے مقامات پر "والجی پونجا اینڈ کمپنی" کے نام سے کاروبار کرتے ہیں۔ اس سے والجی پونجا اینڈ کمپنی کے کاروبار کی وسعت کا پتہ ملتا ہے۔ پھر اسی دعوے میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ یہ "والجی پونجا اینڈ کمپنی" اپنا کاروبار اپنے مختار عام (اٹارنی) اور مینجنگ پارٹنر "جناح پونجاہ" کے توسط سے کرتی ہے۔ اس مقدمے میں جو ڈگری ہوئی وہ چھ ہزار آٹھ سو اناسی روپے ایک آنے کی تھی۔

دوسرا مقدمہ

سندھ مدرسۃ الاسلام میں 9 فروری 1891ء کو محمد علی کا دوبارہ داخلہ ہوا لیکن اس کے دو ہی ہفتہ بعد 23 / فروری 1891ء کو اس مکان کے مالک نے دعویٰ دائر کر دیا جس میں کمپنی کا دفتر تھا۔ یہ ایک ہندو بنئے کا مکان تھا، جو مہاجنی کرتا تھا۔ بنئے نے جب یہ دیکھا کہ وا لکٹ برادرس نے والجی پونجا اینڈ کمپنی پر مقدمہ کیا اور کمپنی کی ایک جائداد قرق ہو گئی تو سمجھا کہ کمپنی کی حالت غیر ہے لہٰذا اپنی روایت کے مطابق اس نے بگڑی ہوئی حالت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کی اور ایک جھوٹا مقدمہ دائر کر دیا کہ کرایہ دار نے مدت سے کرایہ ادا نہیں کیا ہے اور اس کے ذمہ ایک ہزار روپے واجب الادا ہیں۔ جناح پونجاہ کے لئے یہ کوئی بڑی رقم نہ تھی۔ لیکن جب مقدمہ کی صورت پیدا ہوئی اور کمپنی کو اکھاڑنے کی کوشش شروع ہوئی تو اس سے پیچیدگیاں پیدا ہوئیں۔ کمپنی کی طرف سے وکیل ٹیک چند تھے۔ بحث کے بعد واضح ہو گیا کہ دعویٰ فرضی ہے۔ عدالت نے مقدمہ خارج کر دیا بلکہ جناح پونجاہ کو اس کا ہرجانہ بھی دلوایا۔ بنئے نے اپیل کی اور اپیل بھی خارج ہو گئی۔ مگر اس مقدمے نے طول بہت کھینچا اور جناح پونجاہ اپنے لواحقین کے ساتھ کافی عرصہ تک غیر ضروری پریشانی میں مبتلا رہے۔



لندن بھیجنے کا فیصلہ اور شادی

محمد علی ابھی پانچویں جماعت میں تھے کہ ان کے والد نے ان کو لندن بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ لندن بھیجنے کا تذکرہ آتے ہی خیال ہو گا کہ اعلیٰ تعلیم دلوانا مقصود تھا، لیکن یہاں اس کا اولین مقصد تجارتی نظر آتا ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے شرائط ابھی پورے کہاں ہوئے تھے۔ وہ پانچویں جماعت میں تھے اور صرف متعلم ہی نہیں کاروبار میں بھی حصہ لے رہے تھے۔ بہرحال لندن بھیجنے کا فیصلہ ایسا نہ تھا کہ اس کا اثر خاندان کے جذبات پر نہ پڑتا۔ اول تو دور دراز کا سفر، پھر ماں کی گرتی ہوئی صحت اور پھر شاید یہ اندیشہ بھی کہ بیٹا ولایت سے کہیں کوئی میم نہ لے آئے۔ ماں نے اصرار کیا کہ لندن جانے سے پہلے میرے بیٹے کی شادی کر دی جائے۔ محمد علی اس وقت مدرسے میں تھے اور کچھ ہی ماہ بعد امتحانات ہونے والے تھے لیکن ماں کی آرزو امتحانات سے زیادہ اہم ٹھہری۔ جنوری 1892ء میں مدرسے کے رجسٹر میں یہ عبارت درج ہے کہ "وہ شادی کے لئے کچھ چلے گئے۔" یہاں "غیر حاضری" نہیں ہے بلکہ مدرسے کے دفتر کو اور اساتذہ کو پورا علم ہے کہ "شادی کے لئے گئے ہیں"۔

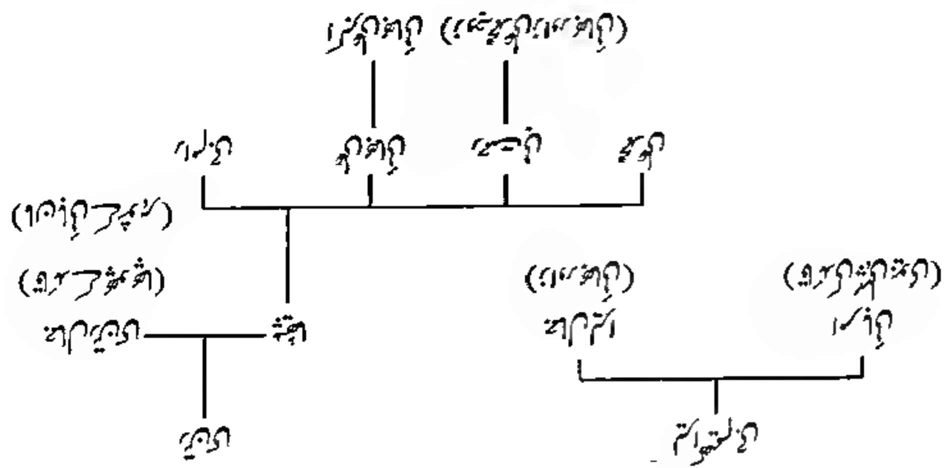
شادی کس جگہ ہوئی

مطلوب الحسن سید نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "شادی کے لئے راجکوٹ گئے۔" غلام علی الانہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ "گونڈل کے ایک گاؤں پنیلی گئے۔" فاطمہ بائی گھانچی نے بتایا ہے اور راقم الحروف کی تحقیق یہ ہے کہ ہریانہ جام نگر گئے مگر سندھ مدرستہ الاسلام کا رجسٹر یہ بتاتا ہے کہ کچھ گئے۔ اوپر کے تینوں بیانات میں کاٹھیاواڑ کی تین ریاستوں کے نام آئے ہیں: راجکوٹ، گونڈل اور جام نگر۔ سندھ مدرستہ الاسلام کا رجسٹر بظاہر ان تینوں بیانات کے خلاف ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس دور میں "کچھ" زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ 1843ء سے پہلے کاٹھیاواڑ پر "گجرات" کا نام غالب تھا اور "کچھ" اس سے علیحدہ گنا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ چندر بنسی خاندان کے جدیجا راجپوتوں کی حکمرانی "کچھ" پر تھی۔ اسی خاندان کے ایک شخص نے تلہ کاٹھیاواڑ جا کر وہ ریاست قائم کی تھی جسے جام نگر کہتے تھے۔ پھر اسی خاندان کی علیحدہ علیحدہ اور ریاستیں وجود میں آئیں جو گونڈل، دردل اور راجکوٹ وغیرہ کہلائیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں قریب قریب واقع تھیں۔ میری تحقیق نقشے کے مطابق صداقت سے قریب اس بنا پر ہے کہ "جام نگر" "کچھ" سے قریب ہے، پھر بھی

سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی کے رجسٹر کے مطابق 30 جنوری 1892ء کو قائداعظمؒ نے سکول چھوڑا۔ وجہ Left for Cutch (کچھ چلے گئے) درج ہے۔

429	Nanji Jaafer	Do	5th April 1881	9	9	30	/	
430	Muhammad Ally Jinaihy	Do	20 Oct.	75	15	3	20	
431	Shafi Muhammad Nasarulldil	Matari (Hyd. Dn.)	2.1	81	10	1	22	

Khoja	St IV (Gujrati)	Do	Do	St I.	7/3/91	St I.	Left for service.
Do	St IV	Do	9/2/91	St IV.	30/1/92	St V	Left for Cutch on marriage
Sheikh (Arain)	St I	Free Border 24/6/91		St II.			



یہ مسئلہ قابلِ غور ہے کہ رجسٹر میں "پنجہ" کا نام کیوں درج ہوا۔

شادی لیرا کھیم جی کی بیٹی سے ہوئی

نوخیز محمد علی کی شادی لیرا کھیم جی[1] کی بیٹی امربائی سے ہوئی۔ لیرا کھیم جی بمبئی کے دولت مند تاجروں میں تھے اور برطانوی کمپنیوں سے ان کا بھی معاملہ تھا جن کو وہ اُون فراہم کرتے تھے۔ لیرا کھیم جی کا آبائی گاؤں ہریانہ تھا جو کاٹھیاواڑ میں جام نگر سے تقریباً سولہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ شادی اسی گاؤں میں ہوئی تھی۔

بارات کی روانگی

کراچی سے بارات روانہ ہوئی تو کشتیوں اور لانچوں میں روانہ ہوئی اور "جوڑیا" نامی ایک چھوٹے سے گھاٹ پر اتری۔ جناح پونجاہ کے آبائی گاؤں بڑی پانیلی کے لوگ اور عزیز و اقارب بھی' جو اس شادی میں مدعو تھے' سب اسی "جوڑیا" میں آ کر بارات کے ساتھ ہو گئے تھے۔ ہریانہ جوڑیا سے آٹھ میل ہے اور بارات بیل گاڑیوں میں یہاں سے ہریانہ پہنچی۔

باراتیوں کی چھیڑ

راجہ صاحب جام نگر سے لیرا کھیم جی کے روابط تھے۔ راجہ صاحب جب کبھی "بارہ چاری" جس کا دوسرا نام "ہوابندر" تھا' جاتے تو وہ ہریانہ میں لیرا کھیم جی کے مہمان ضرور ہوتے تھے۔ لیرا کھیم جی نے راجہ صاحب کی خاطر مدارات کے لئے چاندی کے برتن بنوا رکھے تھے اور جب نوخیز محمد علی دولہا بن کے اپنی بارات کے ساتھ دھوم دھام سے ہریانہ پہنچے تو باراتیوں نے سدھیانہ چھیڑ چھاڑ شروع کی اور یہ فرمائش کر دی کہ باراتیوں کی گاڑیوں کے بیل بھی بڑی شان والے ہیں۔ وہ اس وقت تک پانی نہیں پئیں گے جب تک پانی چاندی کے برتن میں ان کے سامنے پیش نہ کیا جائے۔ برعظیم میں شادی بیاہ کے موقع پر دولہا والوں اور دلہن والوں میں ایسی چھیڑ چھاڑ کا رواج بہت رہا ہے اور دیہات تو دیہات شہروں میں بھی اب تک کسی نہ کسی صورت میں رائج ہے۔ دولہا والے کسی نہ کسی بات کا بہانہ بنا کر روٹھتے ہیں اور دلہن والے ان کو مناتے ہیں

---

1. لیرا کھیم جی کی بیٹی "امربائی" اور بیٹے "جمال"۔ یہ جمال' اکبر بھائی علی بھائی پیتھا کے پھوپھا تھے۔ یہ وہی جمال بھائی ہیں جو 96- افراد خاندان کے ساتھ "ظاہری" ہو گئے تھے۔ (دیکھئے: گجراتی رسالہ راہِ نجات' ماہانہ' مارچ 1905ء)۔ یہ جمال قائد اعظمؒ کے برادر نسبتی تھے۔

اور پھر کچھ دیر بعد روٹھنے والے مَن جاتے ہیں اور میل محبت کا اظہار اتنی ہی شدت سے ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ چھیڑ چھاڑ سنگین بھی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ لیرا کھیم جی کے لئے یہ چھیڑ بڑی پریشانی کا سبب بن گئی کہ گاؤں میں ایسی فرمائش کیسے پوری ہو سکتی تھی۔ شہر ہوتا تو کوئی بات نہ تھی۔ ہر طرح کا انتظام فوراً کیا جا سکتا تھا۔ مگر لیرا کھیم جی کو بہرحال یہ فرمائش پوری کرنی تھی۔ اس موقع پر چاندی کے وہی برتن کام آئے جو راجہ صاحب جام نگر کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ باراتیوں کی بات رکھنے کے لئے بیلوں کے سامنے چاندی کے انہیں برتنوں میں پانی پیش کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ بیلوں نے تو پانی اپنے انہیں برتنوں میں پیا ہو گا جن کے وہ عادی ہیں لیکن واضح ہو گیا کہ لیرا کھیم جی بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ وہ چاندی کے برتن بیلوں کے سامنے بھی بے تکلف پیش کر سکتے ہیں۔ خوشگوار ماحول کی یہ چھیڑ خوشگوار تر کیفیت پیدا کر گئی[1] اور لیرا کھیم جی کی ناک یوں اونچی رہی۔

کم سنی کی شادی

محمد علی کی عمر ابھی شادی کی نہ تھی۔ لگ بھگ سولہ سال کے تھے اور دلہن کی عمر اور بھی کم۔ کوئی نو دس سال[2] کی تھی۔ یہ بچپن کی شادی تھی۔ ایسی کم سنی کی شادیاں حالات کے تقاضے کی بنا پر اکثر ہوا کرتی تھیں۔ حالات ہی نے محمد علی کی اس شادی کا بھی اہتمام کروایا تھا۔

سفرِ لندن میں تاخیر

نکاح کے بعد محمد علی جب کراچی واپس آئے تو پانچویں جماعت کے امتحانات ختم ہو چکے تھے۔ وہ پانچویں جماعت کا امتحان نہ دے سکے۔ نہ دوبارہ داخلے کا کوئی اندراج یہاں موجود ہے اور لندن بھیجنے کا جو فیصلہ ان کے والد نے کیا تھا اس میں بھی تاخیر ہوئی۔ کاروباری زندگی میں ایسی تاخیریں بہت ہوتی ہیں۔ شادی کی تقریب خیر و خوبی سے انجام پا چکنے کے بعد کراچی میں بھی ان کے گھر پر بڑی چہل پہل رہی۔

چرچ مشن ہائی اسکول میں داخلہ

جناح پونجاہ کے ملنے جلنے والے' عزیز و اقربا اور دوست احباب اور مشن اسکول کے اساتذہ جن میں ان کے دوست چندومل بھی تھے ان کے پاس آتے رہے اور مبارک بادیوں کے ساتھ نوعمر دولہا کے سفرِ لندن

---

1. اکبر بھائی پیتھا کا بیان۔
2. محترمہ شیریں جناح کا بیان۔

اور اس کے التوا کی باتیں بھی ہوتی رہیں اور جناح پونجاؒ کے "معلم دوستوں" نے اس ذہین طالب علم کے مستقبل کے بارے میں بھی اظہارِ خیال کیا جو بالکل فطری تھا اور جناح پونجاؒ کی رائے میں دوستوں کا مشورہ بھی شامل ہوا کہ جب تک یہ لڑکا لندن نہیں جاتا اسے مشن اسکول میں داخل کر دیا جائے تاکہ انگریزی ماحول سے مانوس ہونے کا موقع ملے اور جب لندن جائے تو وہاں کی فضا اس کے لئے نامانوس نہ ہو۔ چرچ مشن اسکول کے اساتذہ نے خود نوعمر محمد علی کو بھی اطمینان دلایا کہ اسکول جانے کا مطلب علم حاصل کرنا ہے صرف ماہ و سال گننا نہیں ہے، تم مشن اسکول میں چلے آؤ اور اس طرح محمد علی چرچ مشن اسکول پہنچ گئے۔ پانچویں جماعت کی کتابیں تو وہ پڑھ ہی چکے تھے۔ وہ اگر سندھ مدرستہ الاسلام جاتے تو وہاں بھی شاید چھٹی جماعت میں لے لئے جاتے اور کچھ زیادہ دشواری نہ ہوتی۔ لیکن چرچ مشن اسکول کے اساتذہ نے ان کو اپنے اسکول میں کھینچ لیا جہاں ان کے اتالیق اور والد کے دوست چند دُکل خود موجود تھے۔ داخلے کی دفتری دشواری وہاں بھی سامنے آئی تھی لیکن نوخیز محمد علی کی ذہانت کا اور پانچویں درجے کی تعلیم پاتے رہنے کا علم سب کو تھا۔ آخر مشن اسکول کے انگریز پرنسپل ڈبلیو' آئی' ابیگیل کے سامنے ان کو پیش کیا گیا۔ پرنسپل نے اس نو عمر طالب علم سے گفتگو کی اور امتحان لیا گیا۔ نوخیز محمد علی امتحان میں کامیاب ہوئے اور چھٹی جماعت کے قابل قرار دے کر 8/ مئی 1892ء کو چرچ مشن اسکول میں ان کا داخلہ ہوا۔ رجسٹر میں یہ بھی درج کیا گیا کہ "یہ طالب علم سندھ مدرستہ الاسلام میں پڑھتا رہا ہے"۔

پاکستان نامی کتاب کی ایک کہانی

اس کتاب کے صفحہ 44 پر درج ہے کہ "ایک دن قائداعظمؒ نے کہا کہ وہ لارنس روڈ کے ایس ایم ایس ہائی اسکول کو آزمانا چاہتے ہیں لیکن وہ 35 دن بعد 9/ فروری 1891ء کو سندھ مدرسہ کی چوتھی انگریزی جماعت میں واپس آ گئے۔" حقیقت حال یہ ہے کہ محمد علی کا نام سندھ مدرسہ سے 5/ جنوری 1891ء کو طویل غیر حاضری کی بنا پر کاٹا گیا ہے۔ ظاہر ہے یہ طویل غیر حاضری 5/ جنوری سے بہت قبل شروع ہوئی ہو گی۔ اس کتاب میں ایس ایم ایس سے مراد شاید سی ایم ایس ہے جو لارنس روڈ کا سب سے پرانا سکول ہے۔ اس اسکول کے 1891ء کے رجسٹروں میں 35 دن چھوڑ ایک دن کے لئے بھی محمد علی کے داخلہ کا ثبوت نہیں ملتا۔ اسی کے ساتھ 8/ مئی 1892ء کو جب محمد علی نے واقعی چرچ مشن اسکول میں داخلہ لیا' جس کا ثبوت اسکول کے پرانے رجسٹر میں موجود ہے' اس کا ذکر سرے سے ہی اس کتاب میں نہیں ہے۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ زیر بحث کتاب میں قائداعظمؒ اور چرچ مشن اسکول میں پینتیس دن تعلیم کا قصہ دستاویزی ثبوت سے فرضی ثابت ہوتا ہے۔

سندھ مدرستہ الاسلام اور چرچ مشن اسکول دونوں درس گاہوں کے رجسٹروں کو دیکھنے سے یہ بات بھی

سامنے آتی ہے کہ وہاں تعلیم پانے والے لڑکوں کی دو قسمیں تھیں۔ ایک تو وہ تھے جن کے والدین باقاعدہ فیس ادا کرتے تھے اور دوسرے وہ جن کی فیسیں آدھی یا پوری' حالات کی بناپر' معاف کردی جاتی تھیں۔ نوخیز محمد علی جناح کا نام باقاعدہ "فیس ادا کرنے والے طالب علم" کی حیثیت سے نمایاں طور پر درج ہے۔ نیز یہاں پہلی بار "خوجہ" کے بجائے ''محمڈن'' لکھوایا گیا ہے۔

تقریباً ایک سال کا التوا

نوخیز محمد علی کے عقد نکاح کی تقریب میں بڑی جلدی کی گئی تھی۔ اتنی جلدی کہ چند ہفتے امتحانات کو باقی تھے مگر اس کا بھی انتظار نہیں کیا گیا کہ وہ امتحانات سے فرصت پالیں۔ لیکن تقریب انجام پاچکنے کے بعد جب واپس آئے تو سفرلندن میں اتنی ہی تاخیر ہوئی۔ لندن کا سفر تقریباً سال بھر تک ملتوی رہا اور یہ بھی نہیں کہ یہ وقت تذبذب میں گزرا' ورنہ ان کا داخلہ مشن اسکول میں نہ کروایا جاتا۔

ایک نئی فرم کا قیام

التوا کا اصل سبب یہ نظر آتا ہے کہ جناح پونجاہؒ نے اسی عرصے میں یہ طے کرلیا تھا کہ پہلے اپنے نوعمر بیٹے کے نام سے ایک نئی فرم قائم کرلیں۔ چنانچہ یہ فرم 1892ء کے وسط میں "میسرز محمد علی جناح بھائی" کے نام سے قائم ہوئی۔ اس فرم کے قیام کی دستاویزیں موجود ہیں۔[1] یعنی محمد علی جناح بھائی اب باقاعدہ ایک فرم کے مالک ہو گئے اور اسی حیثیت سے ان کو لندن پہنچنا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ جناح پونجاہؒ اور لیرا کھیم جی دونوں کے صلاح مشورے کو اس میں دخل ہو' کیونکہ محمد علی جناح بھائی کے خسر لیرا کھیم جی کا کاروبار بھی لندن کے تجارتی اداروں سے جاری تھا۔

خود محمد علی اس فرم کے مالک تھے

محمد علی جناح بھائی کو اسی بناپر تقریباً ایک سال اور کراچی میں رہنا پڑا۔ یہاں وہ پڑھ بھی رہے تھے اور ان کی فرم کا آغاز بھی ہو گیا تھا جس کے کاغذات انہیں کے دستخطوں سے آگے بڑھ رہے تھے اور لندن کے تجارتی اداروں سے ان کا تعارف بھی ایک فرم کے مالک کی حیثیت سے ہو رہا تھا اور وہ خود مشن اسکول کے ذریعے انگریزی ماحول سے مانوس بھی ہو رہے تھے۔

1- میسرز محمد علی جناح بھائی کے اکاؤنٹ جو مقدمہ نمبر11- 1896ء میں پیش ہوئے اور نور محمد لالن کے پوتے عاشق لالن کا بیان۔

محمد علی کی فرم نے تیزی سے کام شروع کیا

جناح پونجاہؒ چمڑے' گوند اور مچھلیوں کے تاجر تھے اور فش ماؤز باہر بھیجتے تھے لیکن محمد علی جناح بھائی کی فرم نے اگست 1892ء سے شارک' فنس اور فش ماؤز (آئی سن گلاس) کی خریداری کا آغاز کیا۔ خریداری کے جدید مراکز کراچی کے مختلف علاقوں میں قائم کئے اور خریداری کے بعد یہ تمام چیزیں بیرونی ممالک کو روانہ کی جانے لگیں' جن میں انگلستان اور چین کے نام خاص طور پر مذکور ہیں۔

محمد علی نے انگلستان اور چین مال بھیجا

چنانچہ محمد علی جناح بھائی کی فرم نے ایک دوسرے تاجر نور محمد لالن سے' جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے' تقریباً پچیس ہزار کی مالیت کی فش ماؤز خرید کر لندن روانہ کی اور تقریباً دس ہزار کی مالیت کی اشیا چین بھیجیں۔[1]

محمد علی نے دو ہنڈیاں لکھیں

اس کاروبار کے دوران نوعمر محمد علی نے دو ہنڈیاں بھی' جو ڈھائی ڈھائی ہزار کی تھیں' اپنے دستخطوں سے لکھ کر نور محمد لالن کے سپرد کی تھیں' جن کی ادائیگی دو ماہ کے بعد ہونی تھی۔ ایک ہنڈی 27/ نومبر 1892ء کو لکھی گئی تھی اور دوسری ہنڈی 2/ دسمبر 1892ء کو لکھی گئی تھی۔[2]

میسرز گھانجی والجی کے حصہ دار

ذکر آچکا ہے کہ اگست 1892ء میں جناح پونجاہؒ کے بیٹے کی ایک فرم "میسرز محمد علی جناح بھائی" کے نام سے قائم ہو چکی تھی۔ اسی مہینے میں جناح پونجاہؒ کے بھتیجے کی بھی ایک فرم "میسرز گھانجی والجی" کے نام سے قائم ہوئی جس کے شرکا والجی' جناح پونجاہؒ' ناتھو پونجاہؒ اور گھانجی والجی تھے۔ اس فرم نے بھی فش ماؤز انگلستان بھیجنا شروع کر دی تھی۔ اور "ماؤنٹ پیری اینڈ کمپنی" کے ذریعے یہ مال وہاں جاتا تھا۔[3] پھر اسے بھی پیش نظر رکھئے کہ نوخیز محمد علی نے جب 1892ء کی 31/ اکتوبر کو اسکول چھوڑا ہے تو اس سے چند ہی دن قبل

1- میسرز محمد علی جناح بھائی کے اکاؤنٹ جو مقدمہ نمبر11- 1896ء میں پیش ہوئے۔

2- مقدمہ نمبر11- 1896ء۔ کراچی

3- مقدمہ نمبر167- 1893ء۔ کراچی

28/ اکتوبر کو ایک اور کاروبار کی بنیاد پڑی جس میں وہ اپنے والد جناح پونجاؒ اور چچا والجی پونجاؒ اور چچیرے بھائی گھانجی والجی کے شریک تھے اور کاروبار میں باقاعدہ حصہ دار تھے۔ اس مشترک کاروبار کی طرف سے بھی نش ماڑ ہی انگلستان بھیجی جانے لگی۔ اس مشترک کاروبار کا مال "بمبئی کمپنی لمیٹڈ" کے ذریعے جاتا تھا۔[1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نوخیز محمد علی کو بڑے عزائم کے ساتھ لندن بھیجا گیا تھا۔ ان کے سر فقط اپنی ہی فرم کی ذمہ داریاں عائد نہیں تھیں، جس کے وہ بلا شرکت غیرے مالک تھے، بلکہ دو اور خاندانی فرموں کا کام بھی لندن میں انہی کو کرنا تھا۔ جن میں سے ایک میں وہ حصہ دار تھے۔ مختصر یہ کہ تین راستوں اور تین واسطوں سے مال برابر انگلستان سپلائی ہو رہا تھا۔ اور ان تینوں پر محمد علی کو پوری نظر رکھنی تھی۔ کچھ نہیں معلوم کہ ابھی اور کتنے راستے اور واسطے ان سب کے ذہنوں کے اندر موجود تھے اور اس کاروبار کو اور کتنا آگے بڑھانا تھا۔

جناح پونجاؒ کی مالی حیثیت

خسارے کے بعد بھی جناح پونجاؒ کی مالی حیثیت ایسی ہی کچھ تھی کہ 1892ء میں کوئی پینتیس ہزار روپے کی مالیت کا سامان انہوں نے باہر بھیجا اور یہ پینتیس ہزار بھی آج کے نہیں، اس زمانے کے تھے۔ اس کے علاوہ نقد رقم بھی ان کے پاس اور کتنی تھی اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ انہوں نے فرزند کی شادی دھوم دھام سے کی اور پھر یہ عزم اس پر مزید کہ بیٹے کو لندن بھیجیں گے۔ اخراجاتِ سفر ہی نہیں اخراجاتِ قیام لندن کا بھی پورا اہتمام کیے ہوئے ہیں۔ محمد علی جناح بھائی اس بڑے دولت مند اور ممتاز تاجر کے فرزند تھے جس کی دولت مندی اور امتیاز کا عالم خسارے کے زمانے میں بھی یہ تھا۔



1۔ مقدمہ نمبر 184، 1895ء کراچی





لنڈن روانگی' جنوری 1893ء

لنڈن روانہ ہونے کی تیاریاں جب مکمل ہو چکیں اور تجارتی سامان بھی سب لنڈن روانہ ہو چکا تو ہنڈیاں لکھنے سے پہلے 31/ اکتوبر 1892ء کو محمد علی جناح بھائی نے چرچ مشن اسکول چھوڑا اور اپنی فرم کے ضروری کاغذات کی طرف توجہ کی۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ وہ اپنے والد کی نگرانی' رہنمائی اور سرپرستی میں کر رہے تھے اور پھر 1893ء کا نیا سال شروع ہوتے ہی جنوری[1] میں اپنے والدین کی دعاؤں اور مستقبل کی آرزوؤں کے ساتھ لنڈن روانہ ہو گئے۔

نو عمر محمد علی جناح بھائی کو جہاز پر بٹھانے کے لئے ماں' باپ' بھائی' بہن اور دوسرے عزیز و اقربا سب گئے ہوں گے اور اس وقت سب کے دل پر بڑا اثر ہوگا۔ خاص طور سے والدین کی کیفیت عجیب ہو گی۔ بیٹا سات سمندر پار جا رہا تھا۔ ماں کے تو آنسو نہ تھمتے ہوں گے کہ یہ وہ بیٹا تھا جس کو کبھی انہوں نے اپنے سے جدا نہ کیا تھا اور جدا ہوا بھی تو جلدی ہی واپس بلا لیا تھا اور اب وہی اتنی دور جا رہا تھا۔ جناح پونجاؔ گو بڑے حوصلے کے آدمی تھے اور وہ ایک عزم کے ساتھ بیٹے کو لنڈن روانہ کر رہے تھے پھر بھی باپ کا دل ان کے سینے میں تھا' وہ اندر ہی اندر تڑپ رہا ہو گا کہ لنڈن میں خدا معلوم کن حالات کا سامنا اس کو ہو۔ اطمینان تھا تو بس اتنا کہ جس بیٹے کو اتنے اہتمام سے انہوں نے لمبے سفر کے لئے تیار کیا تھا وہ بے حد ذہین و فطین ہے۔ خدا نے چاہا تو وہ لنڈن میں پریشان ہرگز نہ ہو گا۔ انہوں نے انگریزی ماحول سے مانوس کرنے کے لئے اس کو مشن اسکول میں بھی داخل کروایا تھا اور سفر سے پہلے بیٹے کے لئے ویسے ہی گرم لباس اور پوشاک کا بھی اہتمام کیا تھا جن کی لنڈن جیسے سرد ملک میں ضرورت تھی۔

محمد علی جناح بھائی کس جہاز سے روانہ ہوئے اور اس جہاز پر جانے والوں میں کون کون لوگ تھے اس کا پتہ ابھی نہیں ملا۔ اس زمانے کی برطانوی جہاز راں کمپنیاں بھی اپنے مسافروں کی فہرستیں عموماً محفوظ رکھتی تھیں۔ ان کے رجسٹروں سے ان تمام باتوں کا علم ہو سکتا ہے۔

1- مقدمہ نمبر 11-1896ء

1892ء کا غلط اندراج

محمد علی جناح بھائی کے سفرِ لندن کا سال عموماً کتابوں میں 1892ء لکھا گیا ہے' درسی کتابوں میں بھی اور سوانحی تصنیفات میں بھی۔ درسی کتابوں میں یہ غلطی سوانحی تصنیفات سے منقول ہوئی ہے۔ یہ غلط سنہ اول اول سروجنی نائڈو کی کتاب ""محمد علی جناح۔ این ایمبیسیڈر آف یونٹی"" میں درج ہوا تھا۔[1] پھر یہی سنہ اے اے رؤف نے اپنی کتاب "میٹ مسٹر جناح" میں درج کیا۔[2] اور پھر یہی سنہ مطلوب الحسن سید کی کتاب "محمد علی جناح۔ اے پولٹیکل سٹڈی" میں رقم ہوا۔[3] قیامِ پاکستان کے بعد جب ہیکٹر بولیتھو نے قائداعظمؒ کے سوانح لکھنے کی ذمہ داری قبول کی تو جو کچھ ان کتابوں میں لکھا نظر آیا اسی کو اپنی کتاب "جناح۔ دی کری ایٹر آف پاکستان" میں درج کر لیا۔[4] اس کے بعد غلام علی الانا نے ""قائداعظم جناح۔ دی سٹوری آف اے نیشن"" لکھی تو انہوں نے بھی یہی سنہ لکھ دیا۔[5] پاکستان نامی کتاب کے باب قائداعظم میں بھی یہی سنہ لکھا ہوا ہے۔[6] حالانکہ قائداعظم محمد علی جناحؒ دسمبر 1892ء تک کراچی میں موجود تھے۔

ایک غلطی دوسری غلطی کا سبب بنی

تاریخ میں ایک لفظ کی چوک بھی بات کو کہیں سے کہیں کھینچ لے جاتی ہے۔ 1893ء کو 1892ء لکھ دینے اور سمجھ لینے کی وجہ سے ایک اور غلط کہانی کتابوں میں اس کے ساتھ ہی درج ہو گئی کہ محمد علی جناح بھائی نے دادا بھائی نوروجی کی انتخابی مہم میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ دادا بھائی نوروجی کی یہ انتخابی مہم اس لحاظ سے یقیناً بہت اہم تھی کہ ایک ہندوستانی نے برطانوی پارلیمنٹ کے انتخاب میں حصہ لیا اور منتخب بھی ہوا۔ یہ انتخاب 1892ء کے وسط میں ہوا تھا۔ غلام علی الانا کے ذہن نے بجا طور پر یہ کھٹک محسوس کی ہو گی کہ یہ انتخاب 1892ء کے وسط میں ہوا تھا تو محمد علی جناح بھائی اس کی مہم میں حصہ کس طرح لے سکتے ہیں اگر وہاں پہلے سے موجود نہ ہوں۔ اس کھٹک کا ازالہ انہوں نے یوں کیا کہ "محمد علی جناح بھائی 1892ء کے اوائل ہی میں لندن پہنچ گئے۔"[7]

1- مطبوعہ: 1918ء

2- مطبوعہ: 1944ء۔ دوسرا ایڈیشن 1947ء صفحہ 2

3- مطبوعہ: 1945ء۔ تیسرا ایڈیشن 1962ء صفحہ 2

4- مطبوعہ: 1954ء۔ ایڈیشن 1964ء صفحہ 4

5- مطبوعہ: 1967ء۔ صفحہ 17

6- مطبوعہ: 1976ء لندن صفحہ 46

7- قائداعظم جناحؒ۔ دی سٹوری آف اے نیشن۔ صفحہ 17

انتخابی مہم

بہرحال انتخابی مہم میں حصہ لینے کی کہانی جس کسی نے بھی جہاں سے اخذ کی ہو' اس پر کسی نے غور نہیں کیا کہ یہ درست ہو بھی سکتی ہے یا نہیں۔ سب اسی پر مزید عمارتیں تعمیر کرتے چلے گئے۔ بولیتھو نے یہ مختصر کہانی مطلوب الحسن سید کی کتاب سے لی ہے۔ گو اس کا حوالہ نہیں دیا مگر اس مصنف کی قوتِ تخیل نے سب سے آگے بڑھ کر ایسی جدید عمارت تعمیر کی ہے کہ کیا کہئے۔ اس نے خیال کیا کہ دادا بھائی نوروجی پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے تو تقریر بھی کی ہو گی' لہٰذا وہ تقریر تلاش کی جائے۔ پھر دادا بھائی نوروجی کی انتخابی مہم میں سرگرمیاں دکھانے والوں کا بھی کچھ نقشہ کھینچا جائے جن کے جوش و خروش کا عجیب ہی عالم رہا ہو گا۔ یہ تمام کارکن اپنے تمام مشاغل چھوڑ چھاڑ کے برطانوی پارلیمنٹ کے اولین ہندوستانی ممبر کی تقریر سننے کے لئے لپکے ہوں گے اور ان میں محمد علی جناح بھی ہوں گے۔ یہ دن ان سب کے لئے نہایت مسرت انگیز اور قابلِ فخر ہو گا۔

کہانی پر کہانی

دادا بھائی نوروجی کی تقریر دستیاب ہوئی جس کی تاریخ 9/ اگست ہے اور سن 1892ء۔ اس کا ملنا تھا کہ مصنف کی قوتِ تخیل نے محمد علی جناح کو برطانوی پارلیمنٹ کی وزیٹرز گیلری میں پہنچا دیا اور خوب تقریر سنوائی۔ بولیتھو نے دادا بھائی نوروجی کی تقریر سے اپنی کتاب کے صفحے کے صفحے بھر دیئے ہیں۔[1] اور پھر اسی تقریر کو نوجوان محمد علی جناح کے لئے پہلا سیاسی سبق بھی قرار دیا ہے۔[2] بہرحال اس حد تک تو بات بالکل صحیح ہے کہ نوجوان محمد علی جناح 1892ء میں تقریر سن رہے تھے لیکن لندن کی برطانوی پارلیمنٹ کی گیلری میں بیٹھ کر نومنتخب رکن' دادا بھائی نوروجی کی تقریر نہیں' بلکہ کراچی چرچ مشن اسکول میں بیٹھے اپنے استاد کی تقریر سن رہے تھے کیونکہ یہ اسکول انہوں نے 31/ اکتوبر 1892ء کو چھوڑا ہے' جس میں 8/ مئی کو اسی سال داخل ہوئے تھے۔ غلام علی الانا نے اپنی کتاب بولیتھو کی کتاب کے بعد لکھی ہے۔ وہ بتا سکتے تھے کہ بولیتھو سے کیسی چوک ہو گئی مگر شاید چرچ مشن اسکول میں نوخیز محمد علی جناح کے داخلے اور تعلیم کا کوئی حوالہ ان کو نہیں مل سکا۔ ان کی کتاب میں اس اسکول کا سرے سے کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ "پاکستان" نامی کتاب میں بھی 1892ء میں چرچ مشن اسکول کی چھٹی جماعت میں قائداعظمؒ کے زیرِ تعلیم ہونے کا ذکر نہیں ہے۔

1- صفحہ نمبر 10' 11 اور 12۔

2- ایضاً صفحہ 12۔

ایک اور غلط کہانی

بولیتھو نے اس سے بھی زیادہ دلچسپ قصہ ایک اور درج کیا ہے کہ اسی 1892ء کی اگست میں سالسبری کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور لبرل کامیاب ہوئے۔ گلیڈ سٹون کی حکومت قائم ہوئی اور لبرلزم کا دور دورہ شروع ہوا۔ نئی پارلیمنٹ میں تقریریں ہوئیں۔ پھر اسی 1892ء میں "انڈین کونسل ایکٹ کی شاہی منظوری" سامنے آئی۔ ان تمام باتوں کو مصنف نے اس طرح پیش کیا ہے جیسے یہ سب کچھ نوخیز محمد علی جناح کی نظروں کے سامنے ہوا اور ان کا ذہن اسی لبرلزم کے ماحول میں تیار ہوا۔ لکھا ہے کہ "21/ جون 1892ء کو ان کی مسرت و سرخوشی کا جوش اور دوبالا ہو گیا جب انہوں نے انڈین کونسل ایکٹ پر شاہی منظوری کی مہر ثبت ہونے کی خبر پڑھی۔"[1] یہ کرشمہ صرف 1893ء کو 1892ء سمجھ لینے کا ہے۔

فریڈرک کرافٹ کا قصہ

نوخیز محمد علی جناح کے سفرِ لندن کے بارے میں مصنفین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے گئے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے والد جناح پونجاؒ کو ایک انگریز تاجر فریڈرک کرافٹ نے نوخیز محمد علی جناح کی ذہانت و فطانت دیکھ کر یہ مشورہ دیا تھا کہ اسے لندن بھیجو۔

مگر حالات و واقعات کی دستاویزیں یہ شہادت دیتی ہیں کہ وہ کاروبار کے سلسلے میں لندن بھیجے گئے تھے اس لئے کسی فریڈرک کے اس مشورے کی کوئی بنیاد سرے سے قائم نہیں ہوتی کہ "قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو لندن بھیجو"۔ دوسری بات یہ ہے کہ فریڈرک نامی ایک تاجر کراچی میں موجود تو تھا مگر جس کمپنی کا نام بتایا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ فریڈرک لی کرافٹ جس کمپنی میں پارٹنر تھا اس کا نام ڈونلڈ گراہم اینڈ کمپنی تھا۔ اس کمپنی کا اصلی مالک گراہم خاندان تھا لیکن یہاں بھی اس فریڈرک کا نام صرف 1890ء تک کے کاغذات میں نظر آتا ہے۔ 1891ء میں جو مقدمات ہوئے ہیں ان کے کاغذات میں فریڈرک نام کا کوئی شخص اس کمپنی کے پارٹنرز میں موجود نہیں ہے۔ اس کی جگہ 1891ء سے اس کمپنی کے پارٹنر کی حیثیت سے جیمز ان نس (INNES) کا نام درج ہے۔[2] 1891ء سے 1896ء تک فریڈرک کا کہیں کوئی پتہ نہیں۔ نوخیز محمد علی جناح کو لندن بھیجنے کا ارادہ 1892ء میں کیا گیا اور 1893ء میں ان کو لندن روانہ کیا گیا۔ تیسری بات یہ بھی قابل غور ہے کہ جناح پونجاؒ نے کاروبار تو بہت سی برطانوی کمپنیوں سے کیا لیکن یہی

1- جناح۔۔دی کری ایٹر آف پاکستان۔ صفحہ 9۔
2- ڈونلڈ گراہم اینڈ کمپنی کے مقدمات نمبر 68، 69، 78، 87- 1891ء

ایک گراہم کمپنی ہے جس سے ان کا کوئی کاروبار نظر نہیں آتا۔ تو پھر اچانک یہ شخص بیچ میں کہاں سے آگیا؟ قائداعظمؒ کی سوانح حیات میں یہ نام برابر منقول ہوتا چلا آتا ہے۔ لیکن مندرجہ بالا اسباب کی بنا پر ہماری تحقیق یہ تقاضا کرتی ہے کہ قائداعظمؒ کی سوانح حیات کی محفل سے اسے خارج کیا جائے۔

بولیتھو نے اپنی کتاب میں ایک فریڈرک کے احوال و مزاج کی داستان اس ضمن میں بیان کی ہے مگر لکھا ہے کہ وہ ایکسچینج بروکر تھا حالانکہ کاغذات میں ذاتی طور پر اس کے دلال ہونے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ برطانوی کمپنیاں دلالی تو کرتی تھیں مگر وہ "بروکر" نہیں "ایجنٹ" کہلاتی تھیں۔ پھر بولیتھو نے لندن میں کسی فریڈرک کا حال معلوم کر کے یہ لکھا کہ "وہ بچوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔"[2] تو پھر تعجب ہی ہے کہ ایسا شخص اس بچے پر اتنا مہربان کیسے ہو گیا کہ لندن بھیجنے کا صرف مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ جناح پونجاؒ کو بہ اصرار اس پر تیار بھی کیا اور وہ بھی بیرسٹری کی تعلیم کے لئے۔

میٹریکولیشن کا تذکرہ

کتابوں میں یہ بھی درج ہے کہ نوخیز محمد علی جناح اپنی تعلیم میٹریکولیشن تک مکمل کرنے کے بعد لندن گئے تھے۔ بولیتھو کے یہاں بھی یہ بیان موجود ہے۔[3] اور اردو زبان میں اسے "دسویں جماعت" لکھا اور سمجھا جاتا ہے حالانکہ دستاویزات بتاتی ہیں کہ وہ چھٹی جماعت میں تھے اور اس کا امتحان دینے سے پہلے ہی اسکول چھوڑ کر لندن چلے گئے تھے، جیسا کہ اوپر تذکر کیا جا چکا ہے۔ اس زمانے میں "دسویں جماعت" کا کوئی تصور نہیں تھا۔ "ساتویں جماعت" میٹرک کے برابر ہوتی تھی جسے "انٹرنس اگزامینیشن" بھی کہتے تھے۔

محمد علی جناح اور لندن کی سردی

نوخیز محمد علی جناح جب لندن پہنچے تھے تو وہاں سردی شدت کی پڑ رہی تھی اور اس غیر معمولی سردی سے سارا انگلستان کپکپا رہا تھا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کا حال کیا ہوا ہو گا جو معتدل آب و ہوا کے علاقوں سے وہاں پہنچے تھے۔ نوخیز محمد علی جناح سرو قد اور بالا بلند تو تھے لیکن بہت دبلے پتلے تھے۔ جسمانی طور پر ان کے اندر سردی کا اور پھر ایسی شدید سردی کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت کم ہی تھی۔ لندن کے موسم سے

1- جناح۔۔دی کری ایٹر آف پاکستان۔ صفحہ 4
2- ایضاً۔
3- ایضاً۔ صفحہ 7

وہ آشنا نہیں تھے۔ نہ ایسی کہر کبھی دیکھی تھی' نہ ان کی جان پہچان وہاں کسی سے تھی۔ تاہم تاریخ یہی بتاتی ہے کہ ان سب کا سامنا انہوں نے کامیابی سے کیا۔

کِنگ اینڈ کمپنی

لندن میں انہوں نے پہلے اقامت کہاں اختیار کی' کون کون لوگ ان کے پڑوس میں تھے اور کن کن لوگوں سے ان کے تعلقات ابتدا میں وہاں قائم ہوئے؟ یہ باتیں بھی تلاش کرنے کی ہیں۔ البتہ اس قدر معلوم ہے کہ لنکن اِن کے رجسٹر کے اندراج کے مطابق ان سے خط و کتابت "کنگ اینڈ کمپنی پال مال لندن" کے توسط سے ہوتی تھی جو بعد میں "کاکس اینڈ کنگ" ہو گئی۔[1] اغلب یہ ہے کہ اسی کمپنی کے ذریعے کراچی سے لندن کے سفر کا اور لندن میں ان کی اقامت کا انتظام ہوا ہو گا۔

پاکستان نامی کتاب کے صفحہ 44 پر ذکر ہے کہ قائداعظمؒ کے والد جناح پونجاؒ نے بڑی عاقبت اندیشی سے بیٹے کے لندن میں تین سالہ قیام کے تخمینی اخراجات گراہم کمپنی میں جمع کر دیئے تھے لیکن صفحہ 45 پر یہ بات بھی درج ہے کہ قائداعظمؒ نے اپنی رقم بشپ گیٹ پر واقع رائل بینک آف اسکاٹ لینڈ میں جمع کرائی تھی۔ ان دونوں باتوں میں آخرالذکر قرین قیاس ہے۔ اس لئے کہ اسی کتاب کے صفحہ 45 پر بھی اس بینک کی پاس بک کا تذکرہ کیا گیا ہے' جس میں 1892ء سے 1896ء کی مدت درج ہے۔ اگر یہ پاس بک موجود ہے تو ایک دستاویزی ثبوت کی موجودگی میں اس بات کو یقینی کہا جا سکتا ہے۔

لندن میں محمد علی جناح کا اصل کام

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ میسرز محمد علی جناح بھائی نامی فرم نے اگست 1892ء سے مال برآمد کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس مال کی وصول کردہ رقم لندن میں جمع ہونے لگی تھی۔ لندن میں محمد علی جناح کا اصل کام یہ تھا کہ کراچی سے جو اشیائے تجارت لندن روانہ کی گئی تھیں ان کی بقایا رقم وصول کریں' تجارتی رابطے قائم کریں' کاروبار کو آگے بڑھائیں۔ لندن میں وہ "محمد علی جناح بھائی" نامی فرم کے مالک کی حیثیت سے پہنچے تھے۔ وہاں سے جو رقم وصول کی ہو گی اس میں کچھ تو والد کی ہدایت کے مطابق اپنے اخراجات کے لئے رکھ لی ہو گی اور باقی والد کے پاس کراچی بھیج دی ہو گی یا جیسے جیسے رقمیں ملتی جاتی ہوں گی بھیجتے جاتے ہوں گے' اس لئے کہ جون 1893ء تک کے کاغذات بتاتے ہیں کہ اشیائے تجارت کی روانگی کراچی سے برابر

1- محمد علی جناح۔ اے پولیٹیکل سٹڈی۔ از۔ مطلوب الحسن سید۔ صفحہ 1

جاری تھی۔[1]

محمد علی جناح کا فیصلہ

مگر کراچی میں جناح پونجاؒ کو شدید الجھنوں کا سامنا ہوا۔ یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہاں تین کمپنیوں نے ایک ساتھ کام شروع کیا تھا۔ ایک تو وہ تھی جس کے مالک محمد علی جناح خود تھے' دوسری وہ تھی جس میں محمد علی جناح حصہ دار کی حیثیت سے شریک تھے اور تیسری وہ تھی جو محمد علی جناح کے چچا اور چچیرے بھائی کی تھی اور اس میں ان کے والد حصہ دار تھے۔ ان تینوں کمپنیوں کی رہنمائی جناح پونجاؒ کرتے تھے۔ یہ تینوں کمپنیاں تجارتی سامان انگلستان بھیجتی تھیں اور محمد علی جناح ان کی نمائندگی کے فرائض اپنے ذمے لے کر لندن گئے تھے۔ یہ کاروبار بڑے عزم اور بڑے حوصلے کے ساتھ وسیع پیمانے پر شروع کیا گیا تھا۔ ان کمپنیوں نے اپنا روپیہ چاروں طرف پھیلا دیا تھا۔ جابجا خریداریوں کے مراکز قائم کئے گئے تھے۔ بڑی مستعدی سے کام ہو رہا تھا اور سپلائی بھی جاری ہو گئی تھی لیکن کاغذات بتاتے ہیں کہ اس کاروبار کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں اور رفتہ رفتہ ان کی سپلائی رکنے لگی۔ پہلی سپلائی مارچ 1893ء میں بند ہو گئی۔[2] دوسری جون تک چلی۔[3] تیسری نومبر تک۔[4] اور ذہین کاروباریوں نے ابتدا ہی میں محسوس کر لیا کہ ان حالات میں یہ کاروبار جاری نہیں رہ سکتا۔ ایسی صورت میں محمد علی جناح کے لئے کوئی چارہ اس کے سوا باقی نہ رہا کہ لندن سے واپس آ جائیں۔ قرینہ ہے کہ انہوں نے اپنے والد کو لکھا کہ بڑے کاروبار کی راہ تو بند ہو گئی' مجھے اس کی اجازت دے دیجئے کہ یہاں رہ کر کوئی تعلیم حاصل کر لوں۔ وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ جناح پونجاؒ اپنی کاروباری پریشانیوں میں اور مقدمات کی پیچیدگیوں میں مبتلا تھے۔ انہوں نے بھی مناسب سمجھا کہ بیٹا ان پریشانیوں سے دور ہی رہے تو اچھا۔ وہ لندن میں ہے تو وہیں رہ کر تعلیم حاصل کر لے۔ لندن سے خالی ہاتھ واپس آنا بھی ان کی نظر میں ایک اور بڑا خسارہ تھا۔ انہوں نے اجازت دے دی۔

قانون دان بننے کا عزم

محمد علی جناح کو لندن میں رہنے کی اجازت تو مل گئی لیکن اب بڑا مسئلہ یہ درپیش تھا کہ تعلیم کون سی حاصل کریں اور شعبہ کون سا اختیار کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ خود انہی کو کرنا تھا۔ اس قلیل عرصے میں ان

1- اکاؤنٹ جو مقدمہ نمبر 11-1896ء میں پیش ہوئے۔
2- اکاؤنٹ جو مقدمہ نمبر 167-1893ء میں پیش کئے گئے۔
3- اکاؤنٹ جو مقدمہ نمبر 11-1896ء میں پیش کئے گئے۔
4- اکاؤنٹ جو مقدمہ نمبر 184-1895ء میں پیش کئے گئے تھے۔

کی راہ و رسم کچھ نہ کچھ اپنے ہم وطنوں سے ضرور ہو چکی تھی۔ کتنے نوجوان لندن میں موجود تھے، کچھ آکسفورڈ میں تھے کچھ کیمبرج میں، کچھ گریجویشن کے لئے پہنچے تھے اور کچھ قانون کے لئے۔ بلکہ زیادہ تعداد قانون کی تعلیم حاصل کرنے والوں کی تھی۔ خود لندن کے قانون دانوں کو بھی انہوں نے دیکھا ہوگا۔ ممکن ہے اس نوعمر کا ذہن ادھر بھی گیا ہو کہ خود کاروبار کے لئے اور کاروباری مقدمات کے لئے بھی قانون دانی کی قدم قدم پر احتیاج ہے۔ ان کے ذہن پر اپنے کاروباری مقدمات کا بھی اثر تھا۔ پھر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ تجارت بھی آزاد پیشہ ہے اور بیرسٹری بھی۔ ان کی اپنی طبیعت میں بھی آزادی و خودداری تھی۔ وہ اگر کوئی اور شعبہ اختیار کرتے تو اس کی تکمیل کے بعد کہیں ملازمت کی درخواست دیتے۔ کسی کی ماتحتی میں جاکر کام کرتے، مگر ان کے والد نے شروع ہی سے ان کو تجارت میں لگایا تھا جس نے آزادی و حریت پسندی کا میلان ان کے اندر اور بڑھا دیا تھا۔ وہ نوعمری ہی سے ایک فرم کے باقاعدہ مالک و مختار بن چکے تھے۔ اس سے نیچے اترنا وہ مشکل ہی سے گوارا کر سکتے تھے۔ پھر ان کے سامنے ان کے والد کی پوری زندگی تھی۔ انہوں نے معلمی تو کی تھی اور یہ ایک ملازمت ہی تھی مگر اس کو ایک پسندیدہ عارضی مشغلے سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ اسی زمانے میں وہ بڑے کاروباری بھی تھے اور وقت آیا تو معلمی چھوڑ دی اور پوری طرح آزاد ہو گئے۔ کاروبار انہوں نے کسی حال میں نہیں چھوڑا۔ آزادی بڑی نعمت ہے۔ الجھنیں اور پریشانیاں تو زندگی کے ساتھ ہیں۔ والد کو کن کن مصیبتوں اور پریشانیوں کا سامنا نہیں ہوا، مگر ہر پریشانی کا مقابلہ انہوں نے خندہ پیشانی سے کیا۔ پہلے بھی انہوں نے بہت کچھ اپنی محنت و مشقت ہی سے بنایا تھا۔ آئندہ بھی بہت کچھ وہ اپنی محنت و مشقت ہی سے بنائیں گے اور یقیناً ان کے کاروبار کو ایک قانون دان کی ضرورت پیش آتی رہے گی۔ نوعمر محمد علی جناح بھائی نے قانون دان بننے کا فیصلہ کیا اور یہ فیصلہ کرتے ہی ان اداروں کا رخ کیا جہاں قانون کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لندن میں ایسے ادارے چار ہیں:۔ انر ٹمپل، گریز ان، مڈل ٹمپل اور لنکنز ان۔

"لنکنز ان" میں داخلہ

یوں تو قانون کی ان تعلیم گاہوں میں داخل ہونے کے لئے ان کے معیار پر پورا اترنا اور ابتدائی امتحان کی منزل سے گزرنا سب کے لئے ضروری تھا لیکن نوخیز محمد علی کے لئے یہ دشواری مزید تھی کہ تعلیمی کمی ان کے اندر زیادہ تھی جسے پورا کرنا تھا۔ چنانچہ سال ڈیڑھ سال کی کمی انہوں نے چند ہفتوں میں پوری کی۔ اس امتحان کو صرف چند ماہ کا قلیل عرصہ باقی رہ گیا تھا۔ لندن میں یہ امتحان 1893ء کی مئی میں ہوا تھا۔[1] نوعمر محمد علی جناح کے سامنے یہ ایک بڑی مہم تھی جس کو سر کرنے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں اور توانائیاں ان کو لگا

1- لنکنز ان کا رجسٹر 1893ء

دینا پڑیں۔ انہوں نے محنت کی اور خوب محنت کی۔ امتحان میں شریک ہوئے اور اپنی محنت کا خاطر خواہ ثمرہ پایا۔ کامیاب ہوئے اور 5/ جون 1893ء کو "لنکن اِن" میں داخل ہو گئے۔[1] رجسٹر میں ان کا نام "محمد علی جناح بھائی" لکھا گیا۔ وطنیت کے خانے میں "کراچی سندھ" کا اندراج ہوا اور عمر انیس سال لکھی گئی۔[2] اس زمانے میں ان تعلیمی اداروں کا یہ دستور تھا کہ تاریخ پیدائش' ماہ پیدائش اور سال پیدائش وغیرہ طلب نہیں کرتے تھے۔ صلاحیت دیکھتے تھے اور عمر لکھ لیتے تھے۔

"لنکن ان" کو پسند کرنے کا سبب

لنکن اِن میں جانے کا واقعہ بھی دلچسپ ہے۔ کراچی میں سیرۃ النبیؐ کا ایک جلسہ تھا۔[3] قائداعظمؒ نے سیرت پر ایک تقریر کی جس میں ضمناً اپنا یہ واقعہ بھی بیان کیا' ورنہ وہ اپنی نجی زندگی کی باتیں عموماً بیان نہیں کرتے تھے لیکن انہوں نے کہا کہ "جب میں قانون کی تعلیم کے لے گیا تو ایک گائڈ مجھے چاروں "اِن" دکھانے لے گیا کہ میں ان میں سے جس کو چاہوں اپنے لئے پسند کر لوں۔ وہ جب "لنکن ان" میں مجھے لے گیا تو وہاں میں نے دیوار پر بہت کچھ لکھا ہوا دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ یہ فرسکو ہے جس میں دنیا کے بڑے بڑے مقنّنوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا سب سے اوپر کس کا نام ہے؟ اس نے رسول مقبولؐ کا نام لیا تو میں نے کہا میں یہیں پڑھوں گا"۔ اس بیان سے جہاں ایک تاریخی واقعے کی خبر ملتی ہے وہیں قائداعظمؒ کی افتادِ طبع اور مزاج و میلان پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

"پاکستان" نامی کتاب کے صفحہ 45 پر اس تاریخی واقعہ کا ذکر یوں ہے کہ "قائداعظمؒ نے بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے لنکن ان کے بجائے کوئی دوسری درس گاہ منتخب کی تھی۔ لیکن جب انہوں نے لنکن ان میں رسول اللہ کا نام لکھا دیکھا تو مَنّت مانی کہ اگر وہ "لٹل گو" سے پاس ہو گئے تو وہ لنکن اِن میں داخلہ لیں گے۔ قائداعظمؒ نے خود اپنے بیان میں نہ کسی مَنّت اور نہ کسی اور درسگاہ کے انتخاب کا ذکر کیا ہے۔ قائداعظم جناح-دی سٹوری آف اے نیشن نامی کتاب میں اس تقریر کا ذکر تو ہوا ہے لیکن اس کو قیام پاکستان سے قبل کی ایک تقریر بتایا ہے جو درست نہیں۔ پاکستان نامی کتاب اور جی الانا کی کتاب "اَوَر فریڈم فائٹرز" میں لنکن اِن میں داخلے سے قبل "لِٹل گو" امتحان پاس کرنے کا ذکر ہے مگر یہ اصطلاح غلط استعمال کی گئی

1- لنکن ان کا رجسٹر داخلہ (1892ء- 1420) صفحہ 444

2- لنکن ان کا رجسٹر داخلہ (1892ء- 1420) صفحہ 444

3- 25/ جنوری 1948ء۔ جلسہ سیرت النبیؐ۔ سندھ بار ایسوسی ایشن۔

ہے۔ انگریزی کی ہر بڑی لغت میں اس اصطلاح کے معنی آکسفورڈ یونیورسٹی کے بی اے کے داخلے کا امتحان ہے اور آج بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔

کراچی میں والدہ کا انتقال

محمد علی جناح بھائی قانون کی تعلیم بڑی توجہ اور محنت سے حاصل کرتے رہے۔ اس اثنا میں کراچی میں اپنے والد کی پریشانیوں اور مقدمات کے الجھاؤ سے بے خبر نہیں تھے۔ پھر ان کی والدہ کا انتقال کراچی میں ہو گیا۔[1] یہ خبر ان کو پہنچی تو کہا جاتا ہے کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے اور نہ کہا جاتا جب بھی یہ بالکل فطری بات تھی۔ ان کو اپنی والدہ سے شدید محبت تھی اور ان کی والدہ بھی ان کو بے انتہا چاہتی تھیں۔ وہ اپنے وطن سے ہزارہا میل دور لندن میں تھے اور ان کا گھرانہ پہلے ہی طرح طرح کی الجھنوں میں گرفتار تھا۔ ایسے میں ان کی والدہ کی رحلت دل کو نئے انداز سے زخمی کرنے والی تھی۔

والد پر ایک برطانوی کمپنی کا مقدمہ

اسی زمانے میں ایک نیا مقدمہ ان کے والد پر ستمبر 1893ء میں دائر ہوا۔ یہ مقدمہ ماؤنٹ پاٹری اینڈ کمپنی نے اپنے مینجنگ پارٹنر ولیم گریفر کے ذریعے کیا تھا جس میں والجی پونجا' جناح بھائی پونجاہ' ناتھو بھائی پونجا اور گھانجی والجی سب کو فریق بنایا گیا تھا۔[2]

اس مقدمے کی نوعیت یہ تھی کہ نش ماؤز جو لندن بھیجی گئی تھی اس کے کمیشن وغیرہ کا مطالبہ کیا گیا تھا مگر اسی میں مدعی نے یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ والجی' جناح بھائی اور ناتھو بھائی' والجی پونجا اینڈ کمپنی کے نام سے کاروبار کرتے تھے جس نے اپنا کاروبار پہلے ہی بند کر دیا ہے اور بمبئی ہائی کورٹ میں اس کے دیوالیہ ہو جانے کی درخواست داخل کر چکے ہیں۔[3]

اس مقدمے میں مدعا علیہ نمبر 2 یعنی جناح بھائی پونجا بھائی نے اس فرم سے اپنی بے تعلقی ظاہر کی اور حصہ داری و شرکت سے انکار کیا اور کہا کہ میرا کوئی واسطہ اس سے نہیں ہے۔ ساتھ ہی اس بات سے بھی انکار کیا کہ جناح پونجاہ اور مدعا علیہ نمبر 4 گھانجی والجی ایک ساتھ رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم دونوں الگ الگ مکانوں میں رہتے ہیں۔[4]

1- محترمہ شیریں جناح کا بیان۔

2- مقدمہ نمبر 167-1893ء

3- ایضاً۔

4- ایضاً۔

اس مقدمے کی اہم تنقیحات

اس مقدمے کی بہت سی تنقیحات میں ایک دلچسپ تنقیح یہ بھی تھی کہ "کیا محمد علی نے جو انگلستان میں ہے کوئی ہدایت اس کمپنی کو دی؟ اور اگر دی تو کیا اس کمپنی نے اس کی تعمیل کی؟ یا جو ہدایت دی برطانوی مدعی اس کی تعمیل کا پابند تھا؟"

اس مقدمے سے واضح ہے کہ محمد علی جناح بھائی 1893ء میں اپنے خاندانی کاروبار میں انگلستان سے بھی مدد کرتے رہتے تھے۔[1]

مدعا علیہم کی طرف سے اس مقدمے کے پیروکار تالل رام وکیل تھے۔ اس مقدمے کا فیصلہ جون 1894ء میں مدعا علیہم کے خلاف ہوا۔[2]

چند ہفتے کراچی میں

محترمہ شیریں جناح اپنے بزرگوں سے سنی ہوئی بات یہ بیان کرتی ہیں کہ 1894ء کی چھٹیوں میں ان کے بھائی جان (محمد علی جناح) لندن سے کراچی آئے تھے مگر چند ہفتوں سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ اغلب ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنی ماں کے مزار پر گئے ہوں گے۔ فاتحہ پڑھی ہوگی۔ گھر کا حال احوال دیکھا ہوگا۔ کاروبار کے الجھاؤ پر نظر ڈالی ہوگی۔ باپ نے بیٹے سے اکایا ہوگا۔ زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا ہوگا۔ اپنا پروگرام بتایا ہوگا اور اپنے تجربات کے نئے نکتے ان کے کان میں ڈالے ہوں گے۔ کچھ ہدایات دی ہوں گی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مستقبل کے ذہین بیرسٹر نے والد کے مقدمات میں کام کرنے والے وکیلوں سے بھی باتیں کی ہوں گی۔ اپنے والد کے دوست احباب اور خیرخواہوں سے ملے ہوں گے۔ کسی نے یہ بھی کہا ہوگا کہ بیرسٹر ہو جاؤ تو واپسی پر ہمارے ساتھ مل کے کام کرنا اور ایسی بات اس زمانے میں ان کے والد کے دوست وکیلوں ہی میں سے کسی نے کہی ہوگی۔

وال چند وکیل

مطلوب الحسن سید نے لکھا ہے کہ قائداعظمؒ کو ایک وکیل نے اپنے یہاں اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کرنے کی پیش کش کی تھی۔ اس وکیل کا نام مسٹر وال چند تھا۔ وہ قائدؒ کے اسکول کے ساتھی تھے اور دو سال عمر میں ان سے بڑے تھے۔ ان کی پریکٹس اچھی تھی۔ اس پیشکش پر محمد علی جناح نے جواب دیا تھا کہ میں

1- مقدمہ نمبر 167-1893ء

2- ایضاً۔

آپ کا بہت ممنون ہوں، لیکن پہلے میں اپنی صلاحیتوں کی آزمائش خود کیوں نہ کرلوں۔ ہاں، اگر اپنی آزمائش کے میدان میں پسپا ہو گیا تو پھر آپ کی خدمت میں ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔ مسٹر وال چند اس حوصلہ مندانہ جواب سے بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ اچھا، میری یہ پیشکش برابر قائم رہے گی۔[1]

اول تو اسکول کا وہ ساتھی جس کی عمر دو ہی سال ان کی عمر سے زیادہ تھی 1894ء میں ایسی عمر میں نہیں ہو سکتا جس کی "پریکٹس اچھی ہو"۔ 1894ء ہی میں چند ہفتوں کے لئے ان کے کراچی آنے کا تذکرہ کیا جاتا ہے 1894ء کے بعد پھر وہ کراچی نہیں آئے۔ 1896ء میں بیرسٹر ہو کر بمبئی پہنچے اور وہیں بیرسٹری شروع کی۔

دیپ چند وکیل

جناح پونجاؒ کے ایک بہت گہرے دوست چندو مل تھے جو مشن اسکول میں ان کے ساتھ ٹیچر تھے۔ ان کے بیٹے کا نام دیپ چند تھا۔[2] یہ جناح صاحب کے ساتھی اور دوست تھے جو بعد میں کراچی کے ممتاز وکیل ہوئے۔ تقسیم برعظیم سے پہلے کے دور میں قائداعظمؒ نے انہی دیپ چند وکیل کو کراچی میں اپنا قانونی مشیر مقرر کیا تھا۔ زیادہ امکان ہے کہ یہی دیپ چند ہوں گے جنہوں نے اپنے دوست محمد علی جناح سے 1894ء میں کہا ہوگا کہ وکیل ہو جانے کے بعد ہم دونوں یہاں مل جل کر وکالت کریں گے۔ معاصرین میں وال چند نامی کسی وکیل کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

ایک اور من گھڑت کی کہانی کی تردید

مناسب ہوگا کہ ایک من گھڑت کہانی کی بھی تردید یہیں کر دی جائے۔ یہ کہانی بولیتھو کی کتاب میں ہے۔ اس مصنف نے لکھا ہے کہ "یہاں کراچی میں کسی بڑے وکیل نے ان کو یہ پیش کش کی تھی کہ میرے ساتھ رہ کے کام کرنا بشرطیکہ میری بیٹی سے بیاہ کرلو۔" لیکن یہ بات جس زمانے کی بتائی گئی ہے اس زمانے میں نوجوان محمد علی جناح شادی شدہ تھے اور سب کو معلوم تھا کہ ان کی شادی لیرا ئیم جی جیسے مشہور و معروف تاجر کی بیٹی سے ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ یہاں کراچی میں جتنے ممتاز وکیل تھے قریب قریب سب ہندو تھے اور ان سب کے روابط ان کے گھرانے سے تھے۔ یہ وکلا سب کراچی کے تھے۔ کسی کی طرف سے ایسی پیش کش کے صاف معنی یہ ہوتے کہ تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو، میری بیٹی سے سِوَل میرج کرلو، یا جی چاہے اس کو مسلمان کرلو۔ ظاہر ہے کہ اس وقت کے کسی ممتاز ہندو وکیل کی طرف ایسی پیشکش کی کہانی کا انتساب

1- محمد علی جناح۔ اے پولیٹیکل سٹڈی۔ از۔ مطلوب الحسن سید، صفحہ 4

2- ایم این کوتوال اور عاشق لالن کے بیانات۔

اس کی شرافت کو مجروح کرنے والا بھی ہے اور اس وقت کے ماحول اور ہندو مسلم گھرانوں کی عام روایات سے بے خبری کی بھی کھلی دلیل ہے۔ مشرق میں لڑکی والے اگر کسی لڑکے کو چاہتے بھی ہوں تو وہ اس طرح کبھی "پیش کش" نہیں کرتے۔ یہ ان کے نزدیک سخت معیوب بات سمجھی جاتی تھی اور آج بھی معیوب ہے۔ یہ کہانی ہندو مسلم معاشرے کے آداب اور شادی بیاہ کی سلسلہ جنبانیوں کے طور طریق کے یکسر خلاف ہے۔ شاید مصنف کو خود بھی اس کا احساس ہوا۔ یہ من گھڑت کہانی لکھنے کے بعد یہ بھی لکھ دیا کہ "یہ کہانی لغو معلوم ہوتی ہے۔" اگرچہ یہ سوال اپنی جگہ باقی رہتا ہے کہ یہ کہانی "لغو" معلوم ہوئی تھی تو پھر اسے کتاب میں درج کیوں کیا اور اس سے کونسا مقصد تھا جو پورا ہوا۔

یہ "لغو کہانی" تو خیر ایسی تھی جس کا کوئی اثر قائداعظمؒ کی ذات پر نہیں پڑتا تھا۔ جس ممتاز ہندو وکیل کی طرف یہ پیش کش منسوب کی گئی تھی اسی کی عزت نفس کو جراحت پہنچتی تھی۔ مگر بولیتھو نے جب قائداعظمؒ کی دوسری شادی کا تذکرہ کیا تو وہاں پھر واقعات کی جگہ خیال آرائی نے قلم کو مغلوب کر لیا حالانکہ مصنف کو اب قائداعظمؒ کی زندگی' میلان و رجحان' فکر و نظر اور مزاج و کردار پر غور کرنے کا پورا موقع نصیب تھا۔ قائداعظمؒ کی نوجوانی کا زمانہ لندن میں گزرا ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ لندن جانے والے بعض نوجوان کسی نہ کسی انگریز لڑکی کو بیاہ کر لے آئے لیکن نوجوان محمد علی جناح کی زندگی میں ایسا کوئی میلان نظر نہیں آتا۔ وہ اپنی زندگی میں ایک مرتبہ نہیں بارہا لندن گئے۔ جب ان کی اہلیہ زندہ تھیں جب بھی وہ لندن میں تھے اور جب ان کی اہلیہ کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ تنہا تھے جب بھی وہ لندن جاتے رہے۔ 1913ء اور 1914ء میں لندن گئے تو 37-38 سال کی بھرپور عمر میں تھے۔ ان کے علم و دانش' حُسن و خوبی' شان و شوکت' عزت و منزلت اور شہرت سے متاثر ہونے والوں میں بہت سی عورتیں بھی تھیں' لڑکیاں بھی تھیں' لندن میں بھی اور ہندوستان میں بھی۔ مگر وہ اس قدر لئے دیئے رہتے تھے اور اتنے محتاط تھے کہ سب نے انہیں "مغرور" ہی سمجھا۔ وہ پارٹیوں میں بھی شریک ہوتے تھے' جلسوں میں بھی اور نجی دعوتوں میں بھی۔ خوش مزاج بھی تھے' خوش لباس بھی اور خوش گفتار بھی۔ ان کے اندر بڑی شگفتگی تھی' مگر انہوں نے نہ تو لندن ہی کی کسی لڑکی کو اپنی زندگی میں دخیل ہونے کا موقع دیا' نہ اپنے ملک کی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ اپنے کردار و اصول میں نہایت پختہ تھے۔ 1914ء سے 1918ء کے دوران جہاں قائداعظمؒ کی سیاسی زندگی نے اور زیادہ درخشانی پائی وہاں ان کی نجی زندگی کا یہ پہلو بھی نمایاں ہوا کہ انہوں نے دوسری شادی کی اور یہ شادی بمبئی کے مشہور و ممتاز پارسی رہنما ڈنشا پیٹٹ کی صاحبزادی سے کی۔ یہ شادی جس طرح ہوئی اور جس انداز سے ہوئی اس کے تفصیلی واقعات سے ایک سوانح نگار کو قائداعظمؒ کے قوی و ملی میلانِ طبع اور کردار و اصول کی پختگی کے بارے میں شاندار نکات ملتے ہیں مگر جو لوگ اپنی نفسیاتی پیچیدگیوں میں گرفتار ہوں یا جن کی زندگی کی رفتار سرسری ہو' ان کے فہم سے ان نکات کی اہمیت ہمیشہ بالاتر ثابت ہو گی۔

قائداعظمؒ کی دوسری شادی کے بارے میں ہیکٹر بولیتھو نے جو کچھ لکھا ہے اس کے بارے میں بھی ہم تمام باتیں اپنے مقام پر جہاں اس شادی کا تذکرہ آئے گا وضاحت سے درج کریں گے۔[1]

1894ء میں جب نوعمر محمد علی جناح لندن سے کچھ عرصے کے لئے کراچی آئے تھے اس زمانے میں ان کا اٹھنا بیٹھنا اکثر ڈاکٹر حاجی[2] کے یہاں تھا' جن سے ان کے خاندان کے مراسم تھے لیکن زیادہ تر وہ اپنے والد کے ساتھ رہ کر کاروبار کے حالات' مقدمات کی تفصیلات اور مالی مشکلات وغیرہ کا مطالعہ کرتے رہے اور اپنے والد کی پند و نصائح اور عزائم کا سرمایہ اپنے حافظے میں محفوظ کرتے رہے۔ اس کے بعد لندن واپس چلے گئے۔ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ لندن میں اب کراچی سے ان کی مدد پوری طرح نہیں ہو سکتی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے والد نے یہ سمجھا بھی دیا تھا کہ اب سب کچھ تمہیں خود ہی کرنا ہے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لئے حوصلے اور ہمت سے کام لینا ہے۔ بہرحال ان کا کراچی آنا اور پھر واپس جانا اور اس کی تفصیلات مزید تحقیق چاہتی ہیں۔

والجی پونجا اینڈ کمپنی دیوالیہ ہو گئی

جناح پونجاہؒ کا کاروبار جتنی تیزی سے بڑھا اور پھیلا تھا اتنی ہی تیزی سے گرا۔ وہ ساری عمارت جو خون پسینہ ایک کر کے انہوں نے تعمیر کی تھی وہ بیٹھتی چلی گئی۔ بیرونی کمپنیوں نے ادائیگی کے معاملے میں وہ روش اختیار کی کہ روپے کا الٹ پھیر تعطل میں پڑ گیا۔ بڑے کاروبار میں یہ تعطل بڑا مہلک ثابت ہوتا ہے' جس طرح بینکوں کے کاروبار میں روپے کے مسلسل الٹ پھیر کے بند ہو جانے سے اکثر بینکوں کا دیوالیہ نکل جاتا ہے۔ کاروبار کا یہ اصول ہے کہ کڑی سے کڑی پوری طرح مربوط رہے اور آمدنی اور صرفے کا توازن برقرار رہے۔ اس توازن کے ٹوٹنے میں کبھی کاروباری رقابت کا ہاتھ بھی ہوتا ہے۔ جناح پونجاہؒ کے کاروبار میں تعطل پیدا کرنے کی کوشش ممکن ہے کسی رقابت کے ہاتھوں نہ ہوئی ہو' لیکن یہ واقعہ ہے کہ برطانوی جہاز راں کمپنیوں نے پے در پے اُن پر یورش کی۔ ان کمپنیوں کے ایجنٹوں نے کمیشن اور دیگر اخراجات کے نام سے مسلسل مقدمات عدالتوں میں دائر کئے اور دستاویزوں سے یہ ظاہر ہے کہ بقایا جات کے بعض فیصلے بھی جناح پونجاہؒ کے خلاف صادر ہوئے۔ اس سے ان کی کاروباری یکسوئی میں بھی خلل پڑا اور ساکھ کو بھی نقصان پہنچا اور نوبت اس حد تک پہنچی کہ جناح پونجاہؒ کی کمپنی کو بینکوں کی طرح دوسرے کاروباری قانون کا سہارا لینا پڑا۔ ستمبر 1893ء کے مقدمے کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے جو ماؤنٹ پاری اینڈ کمپنی نے دائر کیا تھا۔ اسی

1- قائداعظمؒ -- درمیانی تیس سال (زیر تصنیف)۔
2- غلام علی نانا کا بیان کہ "قائداعظمؒ کا نام شہر کے ہر شخص کی زبان پر تھا بالخصوص کاروباری حلقوں میں۔ ڈاکٹر سلیمان حاجی کے والد غلام حسین حاجی آغا خان کے وزیر تھے۔"

مقدمے میں مدعی ولیم گریفر کے بیان میں مذکور ہے کہ بمبئی ہائی کورٹ میں "والجی پونجا اینڈ کمپنی" نے دیوالیہ قرار دیئے جانے کی درخواست[1] دے رکھی ہے مگر تمام درخواست میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ جناح پونجاؒ کی طرف سے یا ان کی کمپنی کی طرف سے لین دین میں کسی نقص، کسی بے ترتیبی یا کسی بے اصولی کا کوئی شائبہ بھی تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لین دین میں کھرے تھے۔ حریفوں نے اتنا پریشان کیا کہ وہ دیوالیہ ہو جانے کی سرٹیفکیٹ حاصل کرنے پر مجبور ہو گئے۔

لندن میں نئی اقامت گاہ

نوجوان محمد علی جناح کو ان تمام باتوں کا علم تھا۔ وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ بھال کر اور حالات کو اچھی طرح سمجھ بوجھ کر 1895ء کے اوائل میں جب لندن واپس پہنچے تو نمبر35 رُسل روڈ کنگسٹن میں اقامت اختیار کی۔ قائداعظمؒ کی لندن میں اس اقامت گاہ پر کاؤنٹی کونسل نے جو تختی لگائی ہے اس پر لکھا ہے "قائداعظم محمد علی جناح بانیٔ پاکستان (1876ء - 1948ء) نے اس جگہ 1895ء میں قیام کیا"۔ حالانکہ یہ علاقہ لندن کے دوسرے علاقوں سے کم خرچ نہ تھا لیکن ہندوستانی طالب علموں کو یہاں کفایت مل جایا کرتی تھی۔ اس علاقہ میں ہندوستان سے ریٹائرڈ انگریز افسران رہا کرتے تھے۔ یہ لوگ اور ان کے اہلِ خاندان ہندوستانیوں سے مانوس ہوا کرتے تھے۔ ان لوگوں کو طالب علموں سے کوئی فائدہ حاصل کرنے کا خیال نہ ہوتا تھا اس لئے یہ لوگ ہندوستانی طلبا کو کفایت پر PAYING GUEST رکھنا پسند کرتے تھے۔ محترمہ شیریں جناح کا بیان ہے کہ "بھائی جان (محمد علی جناح) اس زمانے میں وہاں اپنی تعلیمی مصروفیت سے وقت بچا کر کچھ کام بھی کرنے لگے تھے اور اس طرح اپنی آمدنی کا ایک ذریعہ بھی تلاش کر لیا تھا۔" لیکن وہ کام کیا تھا اس کی چھان بین بھی ضروری ہے۔

غلام علی الانا نے قائداعظمؒ کے اولین سفرِ لندن کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ "ہوٹل کی اقامت مہنگی تھی لہٰذا انہوں نے اخبارات میں PAYING GUEST کے اشتہارات دیکھنے شروع کئے اور جلد ہی ان کو نمبر35 رسل روڈ کنگسٹن مل گیا۔ چنانچہ وہیں[2] رہنے لگے۔ لیکن انہوں نے یہ تذکرہ نہیں کیا کہ جب وہ لندن پہنچے تھے تو اس وقت کہاں تھے اور کس جگہ قیام کیا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس سال جی الانا کے بیان کے مطابق وہ لندن پہنچے تھے اسی سال فوراً بعد ان کو نمبر35 رُسل روڈ والی جگہ مل گئی تھی، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ خود جی الانا نے آگے چل کر یہ لکھا ہے کہ "نمبر35 رسل روڈ پر تختی لگی ہوئی ہے

1- مقدمہ نمبر167-1893ء

2- قائداعظمؒ جناح۔ دی سٹوری آف اے نیشن۔ صفحہ 16

کہ 1895ء میں یہاں مقیم تھے۔"[1]

نام میں ترمیم

اس کے ایک سال بعد 1896ء میں وہ دن بھی آیا کہ نوجوان محمد علی جناح بھائی نے بیرسٹری کی تعلیم مکمل کرلی۔ امتحان دیا اور کامیاب ہوئے۔ مگر اس سے پہلے کہ ان کے بیرسٹر ہو جانے کا باقاعدہ اعلان کیا جاتا انہوں نے "لنکن اِن" کی کونسل کو یہ درخواست دی کہ میرے نام کے ساتھ جو "بھائی" کا لفظ ہے اسے حذف کر دیا جائے۔ چنانچہ 24/ اپریل 1896ء کو کونسل کا اجلاس ہوا اور ان کی خواہش کے مطابق یہ "خاندانی روایتی لاحقہ" حذف کر دیا گیا اور جب ان کی بیرسٹری کی سند کا اعلان ہوا تو ان کا نام صرف "محمد علی جناح" لکھا گیا۔[2] نوجوان بیرسٹر نے "لنکن اِن" کے رجسٹر پر پچاس پونڈ کے ٹکٹ کے ساتھ، جس پر 1896ء درج ہے، اپنے دستخط "ایم اے جناح" ثبت کئے اور 29/ اپریل کو بیرسٹر ہو جانے کا باقاعدہ اعلان ہوا۔

کراچی میں وبا پھیلی

ابھی ذکر ہوا کہ نوخیز محمد علی جناح اپنی تعلیم ختم کرنے سے پہلے چند ہفتوں کے لئے کراچی آئے تھے۔ یہ 1894ء کا اختتام اور 1895ء کا آغاز تھا۔ 1895ء میں ان کا گھرانہ کاروباری پریشانیوں میں مبتلا تھا ہی، دوسری پریشانی ایک اور یہ لاحق ہو گئی کہ جناح پونجاہؒ جو اپنے حالات کو سنبھالنے کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے تھے اس کا راستہ بند ہو گیا۔ اسی سال کراچی میں وبا پھیلی[3] اور جان کے لالے پڑ گئے۔ سارا شہر درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ لوگ شہر سے نکل نکل کے دور چلے گئے۔ میدانوں میں جھونپڑیاں ڈال کے پڑ رہے۔ کچھ لوگوں نے دوسرے قصبوں اور دیہاتوں میں پناہ لی۔

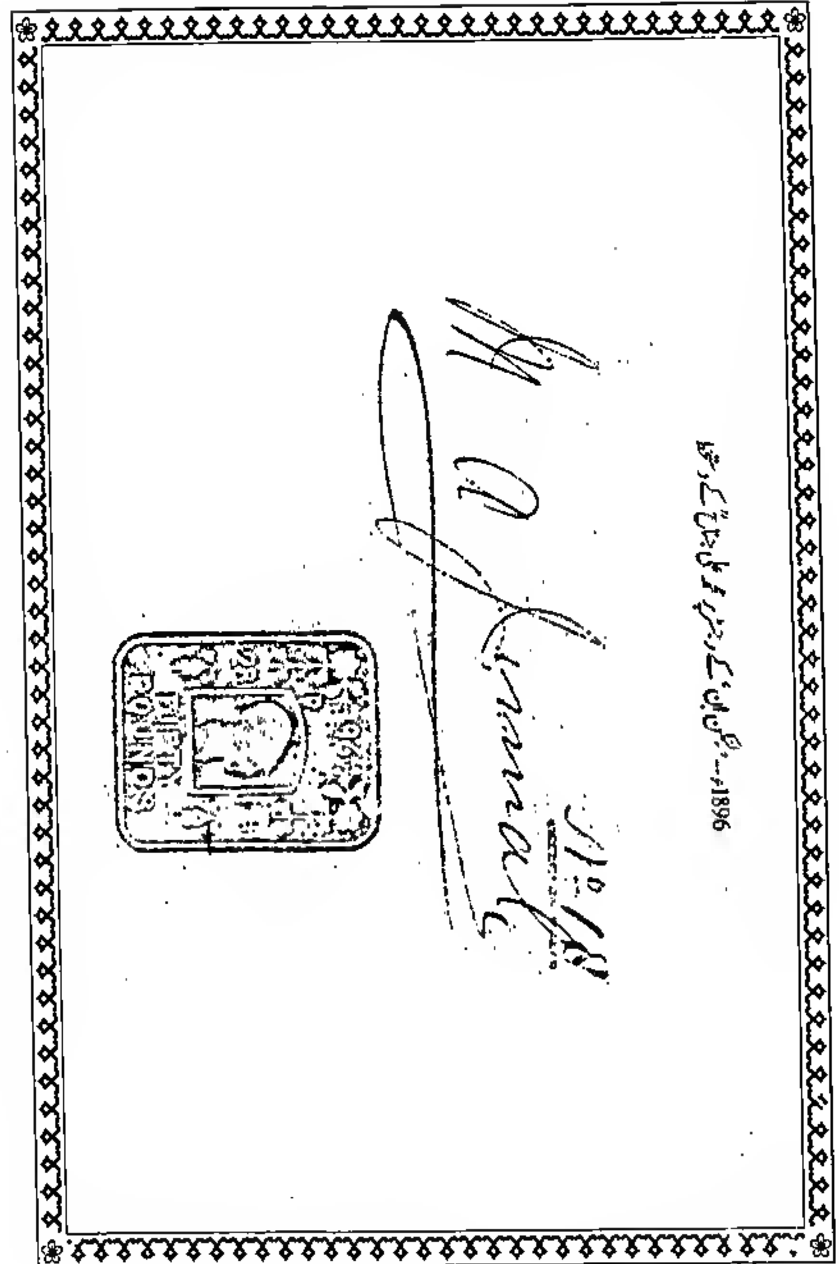
ٹیکری پر

جناح پونجاہؒ نے بھی اپنا سامان سمیٹا اور اہل و عیال کو لے کر شہر سے نکلے۔ ایک ٹیکری پر اپنا خیمہ نصب کیا اور ایک عرصے تک وہیں رہے۔ یہ ٹیکری وہی ہے جہاں آغا خاں ثالث پیدا ہوئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب فضا صاف ہوئی اور وبائی اثرات شہر سے دور ہوئے تو جناح پونجاہؒ اس ٹیکری سے اترے لیکن وہاں سے

1۔ قائداعظمؒ جناح۔ دی سٹوری آف اے نیشن صفحہ 17

2۔ رجسٹر لنکن اِن۔ مورخہ 29/ اپریل 1896ء

3۔ محترمہ شیریں جناح کا بیان۔



1896ء۔ لنکن اِن کے رجسٹر پر جناح کے دستخط

اتر کر وہ اپنے پرانے گھر میں نہیں گئے بلکہ کھوری گارڈن چلے گئے جہاں "رام جی پیتھا بلڈنگ" میں ان کے بعض رشتہ دار رہتے تھے' وہ بھی اسی بلڈنگ میں مقیم ہو گئے۔[1]

کراچی سے بمبئی

جناح پونجاہ کے برادر نسبتی قاسم موسیٰ بمبئی میں تھے۔ انہوں نے لکھا کہ آپ بمبئی چلے آیئے۔ ممکن ہے جناح پونجاہ نے بمبئی کے کچھ اور لوگوں سے بھی خط و کتابت کی ہو۔ بمبئی ان کے لئے کوئی نیا شہر نہیں تھا۔ یہاں ان کا تجارتی دفتر تھا اور یہیں ان کے سمدھی لیرا کیم جی بھی تھے جن کا شمار بمبئی کے بڑے تاجروں میں تھا۔ بہرحال جناح پونجاہ اپنے اہل و عیال کو لے کر بمبئی روانہ ہو گئے اور وہاں خوجہ محلے میں ان کا قیام ہوا۔[2] معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دل کراچی سے اچاٹ ہو گیا تھا اور اب وہ اس کراچی میں رہنا نہیں چاہتے تھے جہاں اپنے کاروبار کو انہوں نے عروج تک پہنچایا تھا۔ قرینہ غالب ہے کہ کراچی سے بمبئی منتقل ہو جانے کی خبر اپنے بیٹے کو لندن بھی دیدی تھی۔

ایک اور برطانوی کمپنی کا مقدمہ

اسی سال 1895ء کے ستمبر میں ایک اور واقعہ ہوا۔ کراچی میں ایک برطانوی جہاز راں کمپنی نے' جس کا نام "بمبئی کمپنی لمیٹڈ" تھا' اپنے ایجنٹ جیمس میتھیوز لینگ کے ذریعے ایک مقدمہ[3] دائر کیا جس میں جناح پونجاہ' ان کے فرزند محمد علی جناح بھائی' والجی پونجاہ اور ان کے بیٹے گھانجی والجی کو فریق بنایا۔ یہ مقدمہ بارہ ہزار چار سو چوبیس روپے سات پائی کی وصولیابی کا تھا۔ اکتوبر 1892ء اور نومبر 1893ء کے درمیان جو کاروبار ہوا تھا اور فش ماؤز کی سپلائی ہوئی تھی اس کو لے کر اسی کمپنی کا جہاز لندن گیا تھا۔ یہ مقدمہ اسی کے سلسلے کا تھا۔ عرضی دعوے میں یہ بات بھی مدعی کی طرف سے کہی گئی تھی کہ "مدعا علیہ نمبر2 (محمد علی جناح بھائی) ایک اور کاروبار اپنے والد کی سرپرستی و نگرانی میں "میسرز محمد علی جناح بھائی" کے نام سے کرتے ہیں اور یہ فرم برطانوی اداروں سے علیحدہ کاروبار کرتی ہے۔[4] یہ مقدمہ 24/ ستمبر 1895ء کو کراچی کی عدالت میں

1- محترمہ شیریں جناح اور محمد علی گانجی والجی کے بیانات۔
2- محترمہ شیریں جناح کا بیان
3- مقدمہ نمبر184-1895ء
4- ایضاً۔

پیش ہوا مگر مدعا علیہم غیر حاضر تھے' لہٰذا مقدمے کا فیصلہ ان کی غیر حاضری میں سنا دیا گیا۔ نوجوان محمد علی جناح لندن میں تھے اور جناح پونجاہ بھی کراچی میں نہیں تھے' بمبئی جا چکے تھے۔

محمد علی جناح مدعا علیہ نمبر2

یہ مقدمہ دوبارہ جنوری 1896ء میں بحال ہوا اور مئی 1896ء کو پھر ان کے خلاف ہی فیصلہ صادر ہوا اور اگست 1896ء میں وصولیابی کی کارروائی شروع ہو گئی۔[1] لیکن وصولیابی کہاں سے ہوتی۔ والجی پونجا اینڈ کمپنی پہلے ہی دیوالیہ قرار دی جا چکی تھی۔ برطانوی کمپنی مایوس ہو کر خاموش ہو گئی البتہ اس انتظار میں رہی کہ بیرسٹر جناح کو لندن سے واپس آنے دو' وہ اس مقدمے میں مدعا علیہ نمبر2 ہیں' رقم ان سے وصول کی جائے گی۔ وصولیابی کی اب یہی ایک صورت "بمبئی کمپنی لمیٹڈ" کے سامنے باقی رہ گئی تھی۔



1- مقدمہ نمبر184-1895ء

لندن سے واپسی

نوجوان محمد علی جناح نے لندن میں زندگی کفایت شعاری سے گزاری تھی اور مستقبل کے لئے خاصی پونجی بھی جمع کرلی تھی اور آنے سے پہلے یہ پونجی بینک کی معرفت بمبئی بھیج دی تھی جہاں ان کے والد اور بھائی بہن سب پہلے ہی منتقل ہو چکے تھے۔ اسی لئے جب وہ لندن سے پلٹے تو سیدھے بمبئی پہنچے۔ قائداعظمؒ بیرسٹری مکمل کرنے کے بعد وسط جولائی 1896ء تک لندن میں موجود تھے۔ 24/ اگست 1896ء کو بمبئی کی عدالتِ عالیہ میں بیرسٹر کی حیثیت سے ان کا نام درج رجسٹر ہوا' اس لئے قائدؒ کا 1896ء میں کراچی آنا قرین قیاس نہیں اور اغلب یہ ہے کہ باپ بیٹے کے باہمی صلاح مشورے سے یہ بھی پہلے ہی طے ہو چکا تھا کہ وہ خوجہ محلے میں رہنے کی بجائے علیحدہ کسی ایسی جگہ قیام کریں گے جو ان کے مغربی طرز رہائش کے مطابق بھی ہو اور بیرسٹری کی ابتدا کرنے کے لئے پرُسکون موزوں ماحول کی حامل بھی ہو۔ اس کے علاوہ خوجہ محلے میں ان کے گھر پر وہ اہتمام ہو بھی نہیں سکتا تھا جو نوجوان بیرسٹر کے لئے موزوں ہوتا۔ نہ محمد علی جناح اپنی بہنوں کو اور والد کو اہتمام کی پریشانیوں میں ڈالنا پسند کر سکتے تھے۔ خود ان کے والد بھی اپنے فرزند ارجمند کے لئے علیحدہ مناسب جگہ چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بیٹے کے لئے اپالو ہوٹل کا کمرہ نمبر 110 محفوظ کرالیا۔ جناح پونجا[1] جس مکان میں رہتے تھے وہ کچھ چھوٹا مکان تو نہیں تھا۔ اس میں خاصی گنجائش موجود تھی۔ اس میں چار بڑے کمرے تھے۔ پھر بھی انہوں نے اپالو ہوٹل کے کمرے کو ترجیح دی جس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے بیرسٹر بیٹے کو گھر کے ماحول سے' اس کی الجھنوں اور بے ترتیبیوں سے اور پاس پڑوس کے شوروغل سے دور رکھنا چاہتے تھے تاکہ وہ اطمینان اور یکسوئی سے اپنی بیرسٹری کا آغاز کرے۔

اپالو ہوٹل میں قیام

بیرسٹر جناح 1896ء میں لندن سے واپس آئے تو اپالو ہوٹل کے اسی کمرہ نمبر 110 میں آکر مقیم ہوئے۔[2] قانون کا پیشہ اپنی نوعیت کی خاص آزمائشوں کا حامل اور تگ و دو کا متقاضی ہوتا ہے کیونکہ ایک قانون دان مہینوں کچھ حاصل کئے بغیر جدوجہد کرتا رہتا ہے۔ اس کا حال اس کسان کے جیسا ہوتا ہے جو کھیت میں دانے

1- محترمہ شیریں جناح کا بیان۔
2- مقدمہ نمبر 184-1895ء

اپالو ہوٹل بمبئی میں قائداعظمؒ کے قیام کے متعلق ایک تحریر

Served on deft
Mahomedally Jinnah
@ Apollo Hotel Room
No 110 on 23rd day of
September/98 he has
acknowledged the
signature on this
Notice
Bailiff

~~Sworn before~~
~~me on 24 day of~~
~~September/98~~

Registrar

بکھیر کر مستقبل میں فصل کاٹنے کی راہ دیکھا کرتا ہے۔ اس کا ذہن فوری فوائد' چٹ پٹ کی آمدنی اور محنت کے بغیر پھل پانے کے خیالات سے پاک ہوتا ہے۔ صبر و تحمل' حوصلہ مندی' مستقل مزاجی' یکسوئی' محنت و مشقت اور خود اعتمادی اس کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔

بیرسٹری کا آغاز

نوجوان بیرسٹر نے اس راہ میں قدم بڑے عزم کے ساتھ رکھا۔ چنانچہ ان کو اپنی محنت کا ثمرہ پانے کے لئے کئی سال بڑے صبر کے ساتھ انتظار کرنا پڑا۔ اس زمانے میں ان کا گزارا بیشتر اسی پونجی پر تھا جو لندن سے بچا کر وہ لائے تھے۔ اور انہیں دنوں کے لئے لائے تھے جس سے ان کی دور اندیشی کا بھی پتہ ملتا ہے۔ ہوٹل کے اخراجات کم نہیں ہوتے۔ مگر ہوٹل کے اخراجات بھی انہوں نے برداشت کئے اور اپنی وضع قطع اور رکھ رکھاؤ کے معیاری انداز میں بھی کوئی فرق آنے نہ دیا۔ یہ ضرور ہے کہ وہ ہر روز اپنے چیمبر تک' جو فورٹ ایریا میں اپالو ہوٹل سے قریباً میل بھر کے فاصلے پر تھا' پیدل ہی جایا کرتے تھے۔ اس فاصلے کو طے کرنے کے لئے انہوں نے کبھی ٹرام اور بس وغیرہ کا سہارا لینا پسند نہیں کیا۔ یہ کفایت شعاری کی کفایت شعاری تھی اور چہل قدمی کی چہل قدمی' جس کے عادی وہ لندن ہی میں ہو چکے تھے۔ اپالو ہوٹل سے وہ خوجہ محلّہ بھی برابر جایا کرتے تھے اور ان کے والد بھی اپنے ہونہار فرزند کو دیکھنے اپالو ہوٹل کے کمرہ نمبر 110 میں پہنچا کرتے تھے۔

بمبئی میں طاعون اور امربائی کا انتقال

اسی سال بمبئی میں طاعون پھیلا[1] اور شہر کا بڑا حصہ اس کی لپیٹ میں آگیا اور خوجہ محلّہ بھی اس سے محفوظ نہ رہا۔ نوجوان بیرسٹر کی دلہن آمربائی جو اپنے خسر کے یہاں اپنی نندوں کے ساتھ رہتی تھی ان کا انتقال اسی زمانے میں ہوا۔[2] یہ ایک اور زخم تھا جو اس گھرانے کے دل پر لگا۔ پچھلے چند برسوں سے یہ خاندان رہ رہ کر پریشانیوں اور صدموں سے دوچار ہو رہا تھا۔ جناح پونجاؔ پر کاروبار کی تباہی کا اثر' اپنی اہلیہ شیریں بی بی کے انتقال کا اثر' اور کراچی کے چھوٹنے کا اثر پہلے ہی بہت تھا اور بڑھاپے کی عمر میں ان اثرات نے ان کو خاصا مضمحل کر دیا تھا۔ اب بہو کا بھی عین جوانی میں اس طرح اٹھ جانا ان کے لئے بڑا اندوہناک تھا۔ وہ بہو جس کو وہ اتنے چاؤ سے بیاہ کر لائے تھے۔ یہ اس فرزند کی بیوی تھی جو ان کی ساری زندگی کی کمائی تھا اور جس کے

1۔ اے ہسٹری آف انڈیا۔ از۔ جارج ڈنبار۔ جلد دوم صفحہ 574

2۔ محترمہ شیریں جناح کا بیان۔

Notice to show cause why execution should not issue.
(Sec. 248 of the Code of Civil Procedure.)

Claim Rs

IN THE COURT OF the District Judge AT Karachi

(Civ. A-41.) 1806

Exh. No.

Civil Suit No. 184 of 1895.
Darkhast No. 146 of 1898.

The Bombay Co: Ld. Karachi — Plaint.

against

Jeena Punja & others — Defendants

to Mahomedali Jeena Barrister-at-Law of Bombay

WHEREAS the Plaintiffs has made application to this Court for execution of decree in Civil Suit No. 184 of 1895, this is to give you notice that you are to appear before this Court on the 27th day of September 1898 at 12 noon either in person or by a Pleader of this Court, or Agent duly authorized and instructed to show cause, if any, why execution should not be granted.

Given under ~~my hand and~~ the seal of the Court, this 29th day of August 1898.

Clerk of the Court

(C) 1819—1,400—7-98.

23 نومبر 1898ء— بیرسٹر جناح کے نام سمن

دل پر غم والم کی پرچھائیں بھی وہ کسی حال میں نہیں پڑنے دینا چاہتے تھے۔ ان کے تفکرات میں اور اضافہ ہو گیا۔ اس حادثے کے بعد وہ خوجہ محلے کے اس گھر سے نکلے اور بچوں کو ساتھ لے کر رتنا گیری[1] چلے گئے اور کچھ عرصہ وہیں رہے۔ جب بمبئی کے محلوں کی فضا صاف ہوئی تب واپس آئے۔ رتنا گیری جانے کی گفتگو بیٹے سے بھی ضرور ہوئی ہو گی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپالو ہوٹل کا علاقہ محفوظ تھا کیونکہ بیرسٹر جناح ہوٹل ہی میں اقامت گزیں رہے۔ بھائی بہنوں کو اور والد کو رتنا گیری روانہ کر دیا۔ خود نہیں گئے۔

بیٹے کی دوسری شادی کی فکر

بیرسٹر جناح بڑی مستعدی اور مستقل مزاجی سے اپنی بیرسٹری کی زمین ہموار کرنے میں مشغول رہے یہاں تک کہ 1896ء گزر گیا' پھر 1897ء بھی گزرا اور 1898ء آ گیا۔ یہ زمانہ بیرسٹر جناح کی انتہائی محنت و مشقت کا تھا اور یہی زمانہ ہے جب جناح پونجاہ" کو بیٹے کی دوسری شادی کر دینے کی فکر رہ رہ کر ستانے لگی۔ جناح پونجاہ" کی دو بیٹیاں جوان بیٹھی تھیں۔ رحمت بی کی عمر 1898ء میں بیس کو پہنچ رہی تھی اور مریم بی عمر کے سولہویں سال میں تھیں۔ فطرۃ" ان کو دونوں بیٹیوں کی شادی کا خیال بار بار آ رہا ہو گا اور سلسلۂ جنبانیاں بھی ہو رہی ہوں گی۔ انہوں نے اپنے فرزند کے لئے بھی نظریں دوڑائیں اور آخر اپنے برادر نسبتی قاسم موسیٰ کی صاحبزادی فاطمہ قاسم کے لئے جناح صاحب کا پیغام بھیجا۔ فاطمہ قاسم نوجوان بیرسٹر کی ماموں زاد بہن تھیں۔ صحت مند' گوری چٹی' بلند و بالا قد' سنہرے بال' بھوری آنکھیں۔ خوب صورت گھرانے کی بہت خوبصورت بیٹی گویا گھر ہی میں موجود تھی۔ قیاس غالب ہے کہ یہ پیغام جناح پونجاہ" نے اپنے فرزند ارجمند کا عندیہ لینے کے بعد ہی بھیجا ہو گا' لیکن قاسم موسیٰ نے یہ پیغام قبول نہیں کیا۔ پیغام قبول نہ کرنے کے سلسلے میں دو باتیں کہی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جناح پونجاہ" کا کاروبار ختم ہو چکا تھا اور بیرسٹر جناح ابھی اپنی بیرسٹری کے ابتدائی مرحلوں سے گزر رہے تھے۔ ان کا مستقبل واضح نہیں تھا اور قاسم موسیٰ کی صاحبزادی نے دولت و ثروت کی آغوش میں پرورش پائی تھی' اس کے لئے دولت و ثروت کا ماحول درکار تھا اور ایسا ماحول اب یہاں نہیں تھا اس لئے قاسم موسیٰ کو پس و پیش ہوا کہ ان کا بھانجا بیرسٹر سہی لیکن وہ دولت و ثروت اس کے پاس نہیں ہے جو کبھی اس کے والد جناح پونجاہ" کے پاس تھی اور قاسم موسیٰ کی بہن شیریں بی بی کی شادی ان سے ہوئی تھی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ بیرسٹر جناح کے بارے میں یہ عام خیال تھا کہ وہ آغا خانی مسلک سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے اور قاسم موسیٰ آغا خاں کے بڑے وزیر تھے۔ لہٰذا دشواری یہ پیش آئی کہ وہ اپنی بیٹی کو

1۔ محترمہ شیریں جناح کا بیان۔

اپنے مَسلک سے باہر کیسے بیاہ دیں۔ آغاخاں کے بڑے وزیر ہونے کی وجہ سے ان پر جو ذمہ داریاں عائد تھیں وہ ان کی راہ میں اس قدر حائل ہوئیں کہ وہ اپنے سگے بھانجے کا پیغام بھی اپنی بیٹی کے لئے قبول نہ کر سکے۔[1]

زیادہ قرینِ قیاس یہی دوسری روایت نظر آتی ہے۔ خود بیرسٹر جناحؒ کی ساری زندگی بھی اسی کی شہادت دیتی ہے کہ وہ صرف مسلمان تھے اور کسی محدود مَسلک سے اپنے آپ کو وابستہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ بہرحال دونوں روایتوں میں ایک بات مشترک ہے کہ ماموں نے بھانجے کا پیغام قبول نہیں کیا۔ اور سبب کچھ بھی ہو اس انکار نے جوان بیرسٹر کے دل کو ٹھیس ضرور پہنچائی ہوگی جس کے بعد انہوں نے ایک عرصے تک شادی کا خیال ہی نہیں کیا۔ ان کے والد نے بھی پھر کوئی سلسلہ جنبانی ان کے لئے نہیں کی۔

بیرسٹر جناح کے نام سمَن

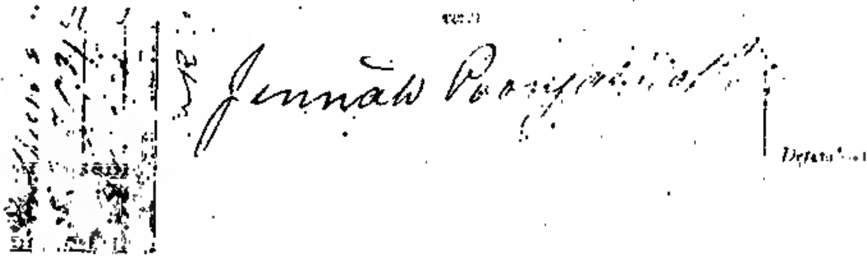
برطانوی کمپنی (بمبئی کمپنی لیمٹڈ) کا تذکرہ اوپر آچکا ہے کہ اس کے ایجنٹ جیمس میتھیوز لینگ نے ستمبر 1895ء میں ایک مقدمہ دائر کیا تھا اور جناح پونجاہؒ کے ساتھ نوجوان محمد علی جناح کو بھی فریق بنایا تھا اور اس کا فیصلہ ان دونوں کی غیر حاضری میں ہوا تھا۔ 1896ء میں پھر یہ مقدمہ بحال ہوا اور پھر فیصلہ مدعا علیہ کے خلاف صادر ہوا اور اگست 1896ء میں وصولیابی کی کارروائی شروع ہوئی لیکن جناح پونجاہؒ کی کمپنی دیوالیہ[2] قرار دیئے جانے کی وجہ سے برطانوی کمپنی کے ارکان بیرسٹر جناح کی لندن سے واپسی کی راہ دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ ان کو جب معلوم ہوا کہ بیرسٹر جناح واپس آگئے ہیں اور بمبئی کے ایک ہوٹل میں مقیم ہیں اور بیرسٹری کر رہے ہیں تو انہوں نے کراچی سے ایک سمن جاری کروایا اور یہ سمن 23/ ستمبر 1898ء کو اپالو ہوٹل کے کمرہ نمبر 110 میں تعمیل ہوا۔[3] اس وقت بیرسٹر جناح کے والد بھی ان کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ممکن ہے دونوں پہلے سے اس کے منتظر ہوں۔ بہرحال دونوں میں قانونی مشورے بھی ہوئے۔ سمن 23 کو تعمیل ہوا تھا اور کراچی میں حاضری کی تاریخ 27 درج تھی۔ چار دن کے اندر ہی ان کو کراچی پہنچنا تھا۔ نوجوان بیرسٹر نے اپنے والد کو مشورہ دیا کہ آپ پانی کے جہاز سے فوراً کراچی روانہ ہو جایئے۔ وہ روانہ ہوئے اور 27 کو کراچی کی عدالت میں حاضر ہو گئے اور ایک درخواست پیش کی جس میں لکھا تھا کہ "میں نے دیوالیہ ہو جانے کی سرٹیفکیٹ حاصل کرلی ہے لہٰذا وصولیابی مجھ سے نہیں کی جا سکتی"۔

جناح پونجاہؒ عدالت میں

پھر تین دن بعد جناح پونجاہؒ نے اپنے قلم سے ایک نئی درخواست لکھی اور عدالت میں پیش کی کہ فیصلے

1- زلیخا ایم ایچ سید کا بیان۔
2- مقدمہ نمبر 184-1895ء
3- مقدمہ نمبر 184-1895ء

قائداعظمؒ کے والد محترم جناح پونجاہ رحمتہ اللہ علیہ کی ایک تحریر جو انہوں نے عدالت میں پیش کی۔



Jennaw Poonja [illegible] Defendant

Dated this [illegible] day of [illegible]

The Defendant No 1 [illegible]

[illegible] that this honourable Court will be pleased to grant certified copy [illegible] the undermentioned document in the above case.—

[illegible] 27th Inst [illegible] in the above case

Jennah [illegible]
Defendant

کی مصدقہ نقل مجھے دی جائے۔ اس درخواست کے طرزِ تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ جناح پونجاؒ کتنے تعلیم یافتہ تھے اور ان کی تحریر کتنی پختہ تھی۔ ان کے اپنے دستخط کا عکس بھی اسی کتاب میں موجود ہے۔

بیرسٹر جناح کی درخواست

دوسرے دن یکم اکتوبر تھی۔ اس دن نوجوان بیرسٹر کی طرف سے بھی ایک درخواست داخل کی گئی۔ یہ درخواست ہرچند رائے اور ایشر سنگھ نے داخل کی تھی جو نوجوان بیرسٹر کے وکیل تھے۔ نوجوان بیرسٹر نے یہ درخواست پہلے ہی تیار کر کے اپنے والد کے سپرد کر دی تھی۔ اس درخواست میں یہ ہے کہ "مقدمے کی کارروائی کی نوٹس اس سے پہلے مجھے عدالت کی طرف سے کبھی موصول نہیں ہوئی لہٰذا عدم پیروی کی بنا پر مقدمہ جو فیصل ہوا ہے اس کو اَز سرِ نَو بحال کیا جائے"۔[1] نوجوان بیرسٹر کی ہدایت کے مطابق ایشر سنگھ نے بحث کی اور اپنی بحث میں یہ نکتہ پیش کیا کہ یک طرفہ ڈگری ہو جانے پر قانون کے مطابق تیس دن کے اندر مدعا علیہ کی طرف سے مقدمے کی بحالی کی درخواست کی جا سکتی ہے اور جب یہ نوٹس ملی ہے تو اس کے بعد تیس دن کے اندر ہی مدعا علیہ نے یہ درخواست پیش کی ہے' پھر دوسرا نکتہ یہ پیش کیا کہ چونکہ فرم ختم ہو چکی تھی اس لئے نوٹس کمپنی کے تمام شرکا کو فرداً" فرداً" جانی چاہیے تھی' لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔[2] (غالباً برطانوی کمپنی نوٹس فرم کے نام پر بھجواتی رہی ہو گی)۔

نوجوان بیرسٹر نے اپنے والد کو یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ خود آپ بھی اپنی طرف سے ایک وکیل مقرر کر دیجئے گا۔ چنانچہ انہوں نے بھی واوحول وکیل کو اپنی طرف سے نامزد کر دیا۔[3]

عدالت میں نوجوان بیرسٹر کی درخواست پیش ہوئی تو اس پر جج نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ "حقیقت یہی ہے کہ مدعا علیہ نمبر 2 محمد علی جناح کے نام کوئی نوٹس تعمیل نہیں ہوئی تھی اور اب مقدمے کو اَز سرِ نو بحال کرنے کی جو درخواست دی گئی ہے وہ قانون کی مقرر کردہ مدت کے اندر ہے لہٰذا درخواست منظور کی گئی۔"[4]

برطانوی کمپنی کے بیرسٹر لیگٹ نے اس کی شدید مخالفت کی اور اصرار کیا کہ مدعا علیہ نمبر 2 محمد علی جناح کو اس مقدمے کا پورا پورا علم تھا' اس لئے یہ درخواست مسترد کی جانی چاہیے۔ مگر جج نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ "یہ عذر کہ اس مقدمے کا فیصلہ صادر ہونے سے پہلے محمد علی جناح کو علم تھا' کوئی اہمیت نہیں رکھتا"۔[5]

1- مقدمہ نمبر 184-1895ء

2- ایضاً۔

3- ایضاً۔

4- ایضاً۔

5- ایضاً۔

مقدمے کا ایک نیا رخ

یہاں سے اس مقدمے کی کارروائی نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا۔ نوجوان بیرسٹر کی طرف سے ایک اور درخواست عدالت میں یہ پیش ہوئی کہ "تمام اصلی کاغذات پیش کئے جائیں تاکہ میں خود دیکھ سکوں کہ وہ کہاں تک صحیح ہیں"۔[1]

بیرسٹر جناح برطانوی مزاج اور برطانوی کمپنیوں کے کاروبار کو خوب سمجھ چکے تھے۔ ان کو خیال تھا کہ ان کاغذات میں قابلِ گرفت باتیں ضرور ہوں گی اس لئے وہ اصلی کاغذات کا مطالعہ خود کرنا چاہتے تھے۔ عدالت نے برطانوی کمپنی کے نام نوٹس جاری کر دی کہ 26/ جنوری 1899ء کو تمام اصلی کاغذات کے ساتھ عدالت میں حاضر ہو۔[2]

برطانوی کمپنی بیرسٹر جناح کی گرفت میں

لیکن برطانوی کمپنی نے اپنے کاغذات و دستاویزات عدالت میں پیش کرنے سے گریز کیا اور ٹال مٹول کی راہ اختیار کی۔ برطانوی کمپنی کو اپنے تمام راز کھل جانے اور ساکھ اکھڑ جانے کا خطرہ پیش ہو گیا' اس کو اپنی عزت بچانی مشکل ہو گئی۔ نوجوان بیرسٹر کا قانونی پنجہ کمپنی کی گردن پر پوری طرح جم چکا تھا۔ کمپنی کے انگریز بیرسٹر نے نزاکتِ حال کو محسوس کیا اور عدالت سے بالا بالا مدعا علیہ (محمد علی جناح) کے پاس مصالحت کے پیغامات بھیجنے شروع کئے۔ صلح پسندی نوجوان بیرسٹر کے مزاج میں شروع سے تھی۔ وہ مصالحت کی گفتگو سننے پر آمادہ ہو گئے۔

برطانوی کمپنی نے صلح کر لی

قرینِ قیاس ہے کہ نوجوان بیرسٹر نے گفتگو کے وقت یہ ضرور کہا ہو گا کہ برطانوی کمپنی کے لئے کوئی چارۂ کار اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ اپنا مقدمہ واپس لے لے اور ایسی صورت میں برطانوی کمپنی کی طرف سے یہ گزارش کی گئی ہو گی کہ صلح نامے کے اندر برائے نام ہی سہی کچھ رقم ادا کرنے کا وعدہ کر لیجئے تاکہ ہماری ساکھ اکھڑنے سے بچ جائے۔ نوجوان بیرسٹر کی طبیعت میں مراعات بخشی موجود تھی۔ اس کے علاوہ کسی کی رسوائی سے لطف اندوز ہونے کے وہ قائل نہیں تھے۔ چنانچہ 28/ فروری 1899ء کو برطانوی کمپنی نے عدالت میں ایک درخواست دی کہ مقدمہ داخل دفتر کر دیا جائے۔ فریقین میں صلح ہو گئی۔ اور اسی

1- مقدمہ نمبر 184-1895ء

2- ایضاً۔

IN THE COURT OF The ... OF KURRACHEE

Dated Kurrachee 13th January 1897

Pleader

Order on this application Issue the writ

Judge

درخواست میں واضح طور پر یہ بھی لکھا گیا تھا کہ "مبلغ بارہ ہزار چوبیس روپے سات پائی کی رقم جو اب تک واجب الادا قرار پائی تھی کمپنی نے اس سے دستبردار ہو کر ایک معمولی سی رقم یعنی مبلغ پانچ سو روپے پر اپنے تمام دعووں کا مکمل اور آخری تصفیہ کر لیا ہے"۔[1] اور 1895ء کا یہ مقدمہ جو برطانوی کمپنی نے دائر کیا تھا اور اس گھرانے کی پریشانیوں میں مزید اضافے کا سبب بنا تھا' وہ آخر کار اس طرح اپنے انجام کو پہنچا۔

ہنڈیوں کا مقدمہ

گزشتہ صفحات میں نور محمد لالن سے ان کے گھرانے کے روابط کا اور دو ہنڈیوں کا تذکرہ آ چکا ہے۔ نور محمد لالن نے بھی دو ہنڈیوں کی وصولیابی کا مقدمہ 1896ء ہی میں دائر کیا تھا۔ جناح صاحب اس وقت لندن میں تھے اور اپنی تعلیم کے آخری مراحل طے کر رہے تھے۔ یہ مقدمہ بھی خود جناح صاحب پر ہوا تھا۔ یہ دونوں ہنڈیاں پانچ ہزار کی تھیں اور اس رقم پر بارہ فیصد سالانہ کے حساب سے سود کا اضافہ ایک ہزار سات سو نوے روپے کا ظاہر کیا گیا تھا۔ اس مقدمے کا سمن نوخیز محمد علی جناح پر لندن میں تعمیل ہوا تھا۔ اس مقدمے کے دوران تصفیہ طلب نکات جو عدالت نے طے کئے تھے وہ بڑی توجہ کے ساتھ پڑھے جانے چاہئیں جن سے بڑی اہم باتیں سامنے آتی ہیں:

1. کیا محمد علی جناح نابالغ تھے جب انہوں نے ہنڈیوں پر دستخط کئے تھے؟
2. کیا وہ اس رقم کی ادائیگی کے ذمہ دار ہیں؟
3. کیا مدعا علیہ کے والد اور مدعی کے درمیان ہونے والے کاروبار کا کوئی حساب کتاب (اکاؤنٹ) بھی تھا؟ اور کیا ان ہنڈیوں کی رقم ادا ہو چکی ہے؟

جج کا ریمارک

آخر تمام بحث و تمحیص اور کارروائیوں کے بعد عدالت نے اس مقدمے کا فیصلہ یہ صادر کیا کہ ان ہنڈیوں کی رقم ادا کی جا چکی ہے اور اس کے ساتھ ہی فاضل جج نے اپنے فیصلے میں یہ درج کرنا بھی ضروری سمجھا کہ "چونکہ یہ رقم ادا کی جا چکی ہے اس لئے مدعا علیہ کے بالغ یا نابالغ ہونے کے سوال پر کسی فیصلے کی حاجت نہیں رہی۔ البتہ اس ضمن میں جو شہادتیں عدالت کے سامنے پیش کی گئی ہیں ان کے بارے میں کچھ ریکارڈ کر دینا مناسب ہے۔ میری یہ رائے ہے کہ وہ تمام شہادتیں جن کا مفاد یہ ہے کہ مدعا علیہ (محمد علی جناح) کی پیدائش 20/ اکتوبر 1875ء میں ہوئی تھی' وہ شکوک و شبہات سے خالی نہیں ہیں۔"[2]

---

1. مقدمہ نمبر 184۔ 1895ء
2. مقدمہ نمبر 11۔ 1896ء

اس کے بعد مقدمہ عدالت سے خارج کر دیا گیا اور عدالت نے مدعا علیہ کو ہرجانہ بھی دلوایا۔[1]

ہرجانے کی وصولی

اس مقدمے کا ایک دلچسپ پہلو اور بھی ہے کہ عدالت کے فیصلے کے بعد ہرجانے کی وصولیابی کی کارروائی شروع ہو گئی۔ اس مقدمے میں جناح صاحب کی طرف سے تاہل رام وکیل کام کر رہے تھے۔ وصولی کی کارروائی ہوئی تو پہلی وصولیابی تین سو چھیاسٹھ روپے بارہ آنے کی ہوئی جس کی رسید پر "محمد علی جناح" کے دستخط ثبت ہیں۔[2]

مدعی پر قرقی

عجیب اتفاق ہے کہ وصولیابی میں ہرجانے کی ایک اور ضمنی رقم جو پندرہ روپے کی تھی وہ وصول ہونے سے رہ گئی تھی۔ کچھ عرصہ بعد اس رقم کی وصولیابی کے لئے درخواست دی گئی۔[3] نور محمد لالن مطمئن ہو چکے تھے کہ ہرجانہ بے باق ہو چکا۔ دوسری طرف اسی اطمینان کے ساتھ انہوں نے **اصل** مقدمے کی اپیل دائر کر دی اور اب اپنی اپیل کے نتیجے کے منتظر تھے کہ اچانک سیٹھ نور محمد لالن کے گھر قرقی کا وارنٹ پہنچ گیا۔ صرف پندرہ روپے ادا نہ کرنے کے جرم میں قرقی آ گئی۔ سیٹھ نور محمد لالن کے لئے پندرہ روپے کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ سیٹھ نور محمد لالن تو پھر بھی سیٹھ تھے۔ بڑے کاروباری تھے۔ معمولی سے معمولی آدمی بھی یہ رقم بے تکلف ادا کر سکتا تھا۔ قرقی کا آنا سیٹھ نور محمد لالن کے لئے نہایت تکلیف دہ بات تھی۔ انہوں نے اس کو اپنی زبردست توہین تصور کیا' پھر مزید یہ کہ سیٹھ نے جو اپیل دائر کر رکھی تھی وہ بھی خارج ہو گئی۔[4] اور اس پر بھی عدالت نے مبلغ دو سو چھیالیس روپے بارہ آنے آٹھ پائی کا ہرجانہ جناح صاحب کو دلوایا۔ یہ فیصلہ 6/ اپریل 1896ء کو ہوا تھا۔[5] البتہ یہ پتہ ابھی تک نہ چل سکا کہ اس ہرجانے کی وصولیابی کب اور کیسے ہوئی' یا جناح صاحب نے یہ ہرجانہ وصول نہیں کیا۔ جناح صاحب خود تو موجود نہیں تھے۔ ان کے وکیل تاہل رام نے کوئی کارروائی ضرور کی ہو گی۔

1- مقدمہ نمبر 11-1896ء
2- مقدمہ نمبر 11-1896ء میں وصولیابی کی درخواست نمبر 6' 1897ء مورخہ یکم جنوری۔
3- مقدمہ نمبر 11-1896ء میں وصولیابی کی درخواست نمبر 9' 1897ء مورخہ 13 جنوری۔
4- اپیل نمبر 16-1897ء
5- مقدمہ اپیل نمبر 16-1897ء صدر عدالت کراچی۔

اُس مکان کی تلاش جہاں پیدا ہوئے

1919ء میں مسٹر محمد علی جناح کراچی تشریف لائے تو سیٹھ نور محمد لالن سے بھی ملنے گئے۔ بتایا جا چکا ہے کہ سیٹھ نور محمد لالن کے مراسم جناح پونجاہ کے گھرانے سے بہت تھے مگر اسی دوران مقدمات بھی ہوئے اور پھر قرقی والا قصہ بھی پیش آیا۔ سیٹھ نور محمد لالن اپنے دفتر میں بیٹھے تھے۔ میروں کے زمانے کا بنا ہوا یہ مکان وہ تھا جس کا تذکرہ پہلے آ چکا ہے۔ سیٹھ نور محمد لالن کے پوتے عاشق لالن نے جناح صاحب کو آتے دیکھا کہ سوٹ پہنے' ہیٹ لگائے سامنے کی گلی سے آفس کی طرف آ رہے ہیں۔ عاشق لالن نے اپنے دادا سے کہا کہ "دادا دیکھو تو یہ بیرسٹر جناح صاحب معلوم ہوتے ہیں۔ اِدھر ہی آ رہے ہیں۔" اور چند لمحوں میں جناح صاحب سامنے کی چار سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے آفس کے دروازے پر پہنچ گئے اور بولے "گڈ مارننگ مسٹر لالن! یو آر اسٹل اسٹرانگ" (آپ تو اب بھی ویسے ہی تگڑے ہیں)۔ مگر سیٹھ نور محمد لالن نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا' نہ ان کی طرف مڑ کے دیکھا۔ مسٹر جناح نے کہا "میں وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں میں پیدا ہوا تھا' آپ کے سوا کوئی اور بتا نہیں سکتا"۔ جس مکان کو جناح صاحب نے سولہ سال کی عمر میں دیکھا تھا اس میں اب اتنی تبدیلیاں آ چکی تھیں کہ وہ اگر یوں اسے دیکھتے تو کبھی پہچان نہ سکتے تھے' اسی لئے انہوں نے سیٹھ نور محمد لالن کی مدد حاصل کرنی چاہی۔ مگر جناح صاحب کی اس بات کو سیٹھ نور محمد لالن نے توجہ کئے بغیر چپ چاپ سن لیا اور کوئی جواب ان کو نہیں دیا۔ عاشق لالن سے کہا کہ "جا وہ جگہ ان کو دکھا دے"۔[1] چنانچہ عاشق لالن نے جناح صاحب کو ساتھ لیا اور نیو نہم روڈ اور چھاگلہ اسٹریٹ کے نکڑ پر واقع اس مکان تک پہنچایا جس کو اب آثار قدیمہ کے محکمے نے بطور یادگار محفوظ کر لیا ہے۔[2] جناح صاحب نے عاشق لالن سے پوچھا' "تمہارا نام کیا ہے؟" عاشق لالن نے ان کو اپنا نام بتایا تو انہوں نے کہا کہ "مسٹر عاشق لالن! کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ وہی گھر ہے۔" محمد علی جناح کو شبہ اس لئے ہوا کہ اس مکان کو انہوں نے جیسا دیکھا تھا ویسا اب نہیں تھا۔ اس میں بڑی تبدیلیاں ہو چکی تھیں اور یہ ان کا مزاج تھا کہ وہ کسی مسئلے میں شک و شبے کی گنجائش نہیں چھوڑتے تھے۔ پورا یقین حاصل کر کے رہتے تھے۔ مکان کو اچھی طرح دیکھ بھال چکنے کے بعد جب واپس ہوئے تو عاشق لالن سے بڑے مشفقانہ انداز میں کہا کہ "جب تم بمبئی آؤ تو میرے پاس ضرور آنا۔ تمہارے والد سلیمان لالن میرے بچپن کے ساتھیوں میں تھے اور تمہارے گھرانے کے ساتھ بہت تعلقات تھے۔"

عاشق لالن نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا کہ ان کی زبان سے یہ باتیں سن کر میری آنکھوں میں

1- عاشق علی لالن کا بیان۔
2- دی گزٹ آف پاکستان اکسٹرا آرڈینری کراچی۔ سینچر 11/ جولائی 1953ء

خوشی کے آنسو آ گئے کہ اتنا بڑا بیرسٹر ایسا نامی گرامی لیڈر مجھ سے کتنی محبت سے باتیں کر رہا ہے۔ لوگ بڑے ہو جاتے ہیں تو پچھلے روابط اور مراسم کو کہاں یاد رکھتے ہیں۔ 1919ء میں عاشق لالن کی عمر انیس سال کی تھی۔ ان پر یہی اثر ہونا چاہیے تھا جو ہوا۔ عاشق لالن کے دادا سیٹھ نور محمد لالن اس وقت ساٹھ کی عمر میں تھے۔ عاشق لالن کا بیان ہے کہ "جناح صاحب کو رخصت کرنے کے بعد میں اپنے گھر پہنچا تو پہنچتے ہی دادا سے الجھ پڑا کہ اتنی بڑی ہستی تمہارے دروازے پر آئی اور دادا! تم نے علیک سلیک بھی نہیں کی، مگر اس نے مجھ سے یہ یہ باتیں کیں اور یہ یہ کہا۔ وہ کتنا بڑا آدمی ہے اور اس کا دل کتنا بڑا ہے۔ دادا اس بات سے مجھے کتنی خوشی ہوئی کہ میری آنکھ میں آنسو آ گئے۔"

سیٹھ نور محمد لالن نے اپنے پوتے کو جواب دیا کہ "تو شور کرتا ہے، کچھ نہیں جانتا۔ میں نے تو چپ رہ کر اِس شخص کی بڑی عزت کی۔ مجھے اپنی سبکی اور ذلت کا وہ واقعہ یاد آ گیا تھا جب پندرہ روپے کی خاطر میرے گھر پر قرقی آ گئی تھی۔ میں نے چپ سادھ لی۔ منہ کھولتا تو کیا پتہ کچھ تلخی ظاہر ہو جاتی اور اس کا دل دکھ جاتا۔ ارے بیٹے! قرقی آنے پر مجھے بڑی تکلیف پہنچی تھی۔ تجھے کیا معلوم اور اسے بھی کیا معلوم کہ یہاں کیا کیا ہوا تھا۔ وہ بمبئی میں تھا۔"

ہوٹل سے اپارٹمنٹ میں

1898ء کے اواخر میں بیرسٹر جناح نے ہوٹل اپالو کی رہائش ختم کر دی اور اپولو بندر کے علاقے میں ایک اپارٹمنٹ لے کر اس میں منتقل ہو گئے۔[1] واسنت[2] نامی ایک اچھوت کو انہوں نے وہیں ملازم رکھا۔ اس ملازم نے ان کی خدمت سب سے زیادہ کی۔ تقریباً چالیس سال ان کے یہاں رہا اور نہایت وفاداری سے خدمت کی۔ واسنت جب بوڑھا ہو گیا اور ملازمت سے سبکدوش ہوا تو بیرسٹر جناح نے اس کی خدمات کے صلے میں گزارے کے لئے اس کو روپے دیئے اور اس کے گاؤں میں ایک مکان بھی بنوا دیا۔ وہ اس سے بہت خوش تھے۔

واسنت

محترمہ شیریں جناح کا بیان ہے کہ "واسنت عجیب شخص تھا۔ ملازم نوجوان تھا اور تعلیم یافتہ بھی نہیں تھا لیکن بھائی جان کے ساتھ رہتے رہتے ایسی تربیت اس کی ہو گئی تھی کہ لائبریری سے جو کتاب وہ چاہتے

---

1. محترمہ شیریں جناح کا بیان۔
2. واسنت فرانسیسی مقبوضہ ڈیو کا باشندہ تھا۔

تھے یا مقدمات کی جو مسلیں اور کاغذات طلب کرتے تھے وہ اطمینان سے نکال لاتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے مسمریزم کا اس پر کوئی اثر ہو۔ اس کو جو حکم ملتا تھا اس کی ٹھیک ٹھیک تعمیل کرتا تھا اور بڑھاپے میں وہ ہمارے گھر کا ایسا فرد بن گیا تھا کہ کوئی شخص اس سے بے ادبی کی گفتگو بھی نہیں کر سکتا تھا' ڈانٹنا جھڑکنا تو دور کی بات تھی۔ بلکہ ہم لوگوں کے بارے میں جو بات وہ کہہ دیتا تھا وہی بات آخری ہوتی تھی اور جو رائے وہ دے دیتا تھا وہی ہو کے رہتی تھی۔ اس کا شمار گھر کے بڑوں میں ہو گیا تھا۔

انگریز ایڈووکیٹ جنرل

ابتدا میں بیرسٹر جناح انگریز ایڈووکیٹ جنرل کے چیمبر میں مطالعہ کیا کرتے تھے اور "یہ سہولت ان کو ایک پرانے دوست کے توسط سے حاصل ہوئی تھی۔"[1] اس زمانے میں انگریز ایڈووکیٹ جنرل عموماً کسی دیسی وکیل یا بیرسٹر کو اپنے چیمبر میں آ کر قانون کی کتابیں دیکھنے اور مطالعہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ایسی صورت میں وہ "پرانا دوست" جس نے نوجوان بیرسٹر کو یہ سہولت فراہم کروائی تھی' خواہ بیرسٹر جناح اور ان کے گھرانے کا دوست ہو' خواہ ایڈووکیٹ جنرل کا۔ اگر کوئی تھا تو وہ بااثر آدمی ہو گا مگر اس بااثر آدمی کا نام اب تک کسی نے نہیں لیا ہے۔ زیادہ امکان اس کا ہے کہ خود نوجوان بیرسٹر کی مغربی وضع قطع اور رفتار و گفتار ایڈووکیٹ جنرل کی نظروں میں رہی ہو۔ عدالت میں کسی قانونی نکتے پر کوئی گفتگو ہوئی ہو اور یوں ایک دوسرے کے قریب آنے کی صورت پیدا ہوئی ہو۔ بمبئی کے بڑے بڑے دیسی وکلا کی نظریں بھی شروع سے نوجوان بیرسٹر پر تھیں اور انگریزوں کی نظریں بھی تھیں۔ اور انگریز تو ہمیشہ ہی ہونہار اور ذہین لوگوں پر نظر رکھتے تھے اور انہیں ذہین لوگوں میں سے اپنے نظامِ حکومت کے لئے افراد چنتے تھے۔ ملازمتیں دیتے تھے' عہدے پیش کرتے تھے۔

انگریزوں کا شخصی طرزِ عمل

برعظیم میں بعض انگریز ایسے بھی تھے جو اپنے انسانی اوصاف اور شخصی اخلاق کے اعتبار سے نمایاں تھے۔ وہ اچھے کو اچھا اور برے کو برا سمجھتے تھے اور معاشرے کے بہترین افراد کی طرح گرد و پیش پر نظر ڈالتے تھے۔ وہ اچھے دوست اور اچھے مشیر بھی ثابت ہوئے ہیں۔ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں ایسے اچھے' بے لوث اور انسان دوست لوگ موجود نہ ہوں جو نسلی تعصبات اور جغرافی اغراض سے بلند ہو کر بھی

1۔ محمد علی جناح۔ اے پولیٹیکل سٹڈی۔ صفحہ 5

سوچتے ہوں اور دوسروں کی قدر بھی اسی طرح کرتے ہوں جس طرح وہ اپنوں کی قدر کرتے ہیں۔ ایسے انگریزوں نے یہاں کے لوگوں سے دوستی بھی کی ہوگی اور جن نوجوانوں کے اندر خوبیاں اور صلاحیتیں دیکھیں' ان کے ابھرنے کے امکانات پائے ان کو سہارا بھی دیا ہوگا' مفید مشورے بھی دیئے ہوں گے' ان کی سرپرستی بھی کی ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ لندن میں کچھ عرصہ زندگی گزارنے والے نوجوانوں میں کچھ ایسے بھی ہوں جن کی خوش مزاجی' خوش اخلاقی اور کردار نے اور انسانی جذبے اور خدمت نے وہاں کے بعض گھرانوں کو متاثر کیا ہو اور جب ان گھرانوں میں سے یا ان گھرانوں کے دوستوں میں سے کوئی شخص افسر ہوکر برعظیم آیا ہو' یا پہلے سے یہاں موجود ہو تو اس کو انہوں نے متوجہ کیا ہو کہ ان کا خیال رکھنا۔ کوئی تعجب نہیں ہے کہ بیرسٹر جناح بھی ایسے ہی نوجوانوں میں سے ایک ہوں اور اسی بنا پر انہوں نے سہولت پائی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ "لنکن ان" کے اساتذہ میں سے کوئی ان کی ذہانت اور علمی شوق کی وجہ سے ان کو پسند کرتا ہو اور اس کے اثرات نے اپنا کام کیا ہو۔

انگریزوں کا سرکاری طریقۂ کار

لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ انگریزی حکومت ملکی کالجوں کے ذہین نوجوانوں پر بھی خاص نظر رکھتی تھی اور ان نوجوانوں سے بھی بے خبر نہیں رہتی تھی جو لندن جاتے تھے اور ان سب کی اطلاع یہاں کے افسروں کے پاس موجود ہوتی تھی کہ کس کے کیا رجحانات ہیں اور ان میں کون ایسا ہے جو حکومت کے کام آسکتا ہے۔ پھر وہ اس پر بھی نظر رکھتے تھے کہ لندن سے پلٹنے والے نوجوانوں میں کس کس کے اندر حریت و آزادی کے جراثیم پائے جاتے ہیں اور لندن کی آزاد فضا میں سانس لینے کے بعد اس کے جراثیم کتنے قوی ہو گئے ہیں۔ کہیں اس کے اندر انقلابی جذبات تو پرورش نہیں پا رہے ہیں؟ اور کون ایسا ہے جو بآسانی کسی لالچ میں آسکتا ہے اور کون ایسا ہے جس پر ڈورے پردے پردے میں ڈالے جاسکتے ہیں۔ جو لندن میں بچ گیا اس کو یہاں کس طرح رام کیا جاسکتا ہے۔ پھر کسی کو خوش اخلاقی سے اور حسن سلوک سے متاثر کیا جاتا تھا' کسی کو زندگی کی مختلف شادمانیاں فراہم کی جاتی تھیں۔ مستقبل کی خوش آئند توقعات کے جال پھینکے جاتے تھے اور کیا کچھ نہیں کیا جاتا تھا۔ اس زد میں چھوٹے بڑے سبھی تھے۔ خطابات بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں اور عہدے بھی اور مناصب بھی۔

محمد علی جناح پر نظر

محمد علی جناح نوجوانی میں لندن گئے تھے تو کیا ان پر نظر نہیں رہی ہوگی۔ ان کی ذہانت و فطانت اور رنگ ڈھنگ کا جائزہ نہیں لیا گیا ہوگا۔ اور کیا ان کے متعلق ہندوستان میں بمبئی اور کراچی کے انگریز افسروں تک

اطلاعات نہیں پہنچی ہوں گی کہ یہ کیسا نوجوان ہے اور اس نوجوان کے ذہن و فکر کا انداز کیا ہے؟ اور کیا یہاں کے افسروں نے اوروں کی طرح ان کو بھی اپنے قریب لانے کی کوشش نہیں کی ہوگی۔ مولانا حسرت موہانیؒ کا یہ واقعہ سب کو معلوم ہے کہ ان کو جب ڈپٹی کلکٹری پیش کی گئی تھی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ "میں کچھ ایسا بے ہنر تو نہیں ہوں کہ بیوروکریٹ بن جاؤں"۔ محمد علی جناح نے بھی ابتدا ہی سے کاروباری زندگی میں داخل ہو کر بلکہ ایک کمپنی کے مالک بن کر' اپنے نفع نقصان کو سمجھنے اور حریفوں کی طرف سے چوکس رہنے کی تربیت پائی تھی۔ ان کو بھی مولانا حسرت موہانیؒ کی طرح یہ کہنے کا حق تھا کہ میں کچھ ایسا بے ہنر تو نہیں ہوں کہ بیوروکریٹ بن جاؤں۔ یہ جملہ انہوں نے اپنی زبان سے نہ کہا ہو مگر ان کی پوری زندگی اسی جملے کی ترجمان ہے۔

ڈورے ڈالے گئے

محمد علی جناح نے لندن میں جنوری 1893ء سے 1896ء تک قیام کیا ہے اور کچھ آثار نہیں ملتے کہ لندنی زندگی کے کسی جال میں بھی ان کا پاؤں الجھا ہو۔ لندن سے واپس آنے کے بعد بھی صاف دکھائی دیتا ہے کہ ان پر طرح طرح سے ڈورے ڈالے گئے' جس کا ہم سب کو علم ہے۔ بہت سی باتیں تحریر میں بھی آچکی ہیں' لیکن وہ ان سب ڈوروں کو توڑ کر صاف نکل گئے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان کے سامنے ہائی کورٹ کی ججی آئی۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ ان کو "نائٹ ہڈ" کی پیشکش ہوئی۔[1] ہندوؤں اور مسلمانوں میں کتنے افراد نمایاں ہیں جو ہائی کورٹ کے جج بھی ہوئے۔ کوئی خان بہادر ہوا' کوئی رائے بہادر اور کوئی سر کہلایا۔ حتیٰ کہ مسٹر گاندھی نے قیصرِ ہند کا تمغہ پایا اور اس کو قبول کیا۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ انہیں خطاب یافتوں میں ایسے لوگ بھی تھے جن کی گردنیں انگریزی حکومت و سیاست کے سامنے خم نہیں ہوئیں۔ لیکن محمد علی جناح نے کوئی پیشکش قبول نہیں کی' گو پیش کشوں کا سلسلہ آخر' آخر تک جاری رہا۔

مجسٹریٹ بمبئی پریسیڈنسی

بیرسٹر جناح نے میکفرسن کے چیمبر سے استفادہ کیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ یہی میکفرسن تھا جس نے 1900ء میں ان کو بمبئی پریسیڈنسی کا مجسٹریٹ بنانے کی "سفارش" لا ممبر سر چارلس آلیونٹ سے کی تھی۔ یہ جس زمانے کی بات ہے اس زمانے میں بڑی بڑی عمر کے لوگوں کا بھی اس منصب پر پہنچنا آسان نہیں تھا مگر 3/ مئی 1900ء کو محمد علی جناح بمبئی پریسیڈنسی کے مجسٹریٹ ہو گئے۔ ان کی عمر اس وقت چوبیس سال کی

1- تفصیل' دوسری جلد میں' جو درمیانی تیس سال کے حالات پر مشتمل ہوگی۔

تھی۔ ہو سکتا ہے کہ میکفرسن نے نوجوان بیرسٹر کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر خود یہ قدم اٹھایا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے کسی لندنی دوست کی فرمائش پر توجہ کی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انگریزی حکمتِ عملی کا اس میں دخل ہو۔ کچھ بھی ہو، محمد علی جناح کی فطرتِ آزاد نے چھ ماہ سے زیادہ مجسٹریٹ رہنا گوارا نہیں کیا۔ اس عہدے کی میعاد 3 نومبر کو ختم ہو گئی۔[1]

عہدے کی پیش کش اور اس کا جواب

سر چارلس آلیونٹ نے بمبئی پریسیڈنسی مجسٹریٹ کا یہ عہدہ ان کے سامنے مستقلاً بھی پیش کیا تھا جس میں ماہانہ پندرہ سو روپے، اور اس زمانے کے پندرہ سو روپے کی کشش موجود تھی۔ اور نوجوان بیرسٹر کے حالات یہ تھے کہ ان کے والد کا سارا کاروبار ختم ہو چکا تھا۔ خود ان کی بیرسٹری کی بھی ابتدا تھی۔ اس کے باوجود نوجوان بیرسٹر نے اس پیشکش پر شکریہ تو ادا کیا لیکن یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ "میں تو پندرہ سو روپے روزانہ کمانے کی نیت رکھتا ہوں۔"[2]

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ نوجوان بیرسٹر نے بمبئی پریسیڈنسی مجسٹریٹ کے عہدے پر رہ کر جو مقدمات فیصل کئے ان میں کتنے ایسے ہیں جن سے حکومتِ ہند کبھی خوش نہیں ہو سکتی تھی، بالخصوص ایسے مقدمات جن میں پولیس کی نااہلی اور دھاندلی پر انہوں نے شدید نکتہ چینی کی تھی۔

سر جارج لاؤنڈز

نوجوان بیرسٹر نے سر جارج لاؤنڈز کے چیمبر سے بھی استفادہ کیا تھا۔[3] سر جارج لاؤنڈز کے بارے میں انہوں نے خود کہا ہے کہ "سر جارج لاؤنڈز کا انداز اتنا بزرگانہ اور مشفقانہ تھا جتنا کسی باپ کا اپنے بیٹے کے ساتھ ہو"۔[4] اور پھر یہ بھی کہا ہے کہ "اس کے باوجود جب سر جارج لاؤنڈز لا ممبر ہو کر امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں آئے تو وہاں میں نے ان کی مخالفت بڑی شدت کے ساتھ کی۔"[5] دوسرے لفظوں میں اسے یوں کہئے کہ ملکی و قومی مسائل میں وہ کوئی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ اصول کے اتنے پکے تھے کہ کوئی رابطہ اور کوئی تعلق کبھی ان کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہی ان کی افتادِ طبع تھی۔

1- محمد علی جناح۔ اے پولیٹیکل سٹڈی۔ صفحہ 6
2- محمد علی جناح۔ اے پولیٹیکل سٹڈی۔ صفحہ 6
3- میٹ مسٹر جناح۔ از۔ اے اے رؤف۔ صفحہ 233
4- یہ کہانی اے۔ اے۔ رؤف نے بلا کسی حوالے کے درج کی ہے۔
5- جو کیمیم الوا کی کتاب لیڈرس آف انڈیا صفحہ 66 پر یہی کہانی درج ہے۔

سر آلیونٹ کا اعتراف

کوئی دو سال بعد '1902ء کے لگ بھگ' سر چارلس جب لندن میں طویل چھٹیاں گزار کر واپس آئے تو نوجوان بیرسٹر سے ان کی ملاقات ہوئی۔ محمد علی جناح نے خود بیان کیا ہے کہ "اورینٹ کلب بمبئی میں ان کو مدعو کیا گیا تھا اور اس کلب کا ایک رکن میں بھی تھا۔ پارٹی میں سر چارلس نے مجھے دیکھا تو میری طرف آئے اور پوچھا کہ وکالت کیسی چل رہی ہے؟ میں نے کہا کہ "ماہانہ دو ہزار روپے سے زیادہ کما رہا ہوں۔" "تو یہ سن کر انہوں نے میری بلند حوصلگی کی داد دی اور یہ بھی کہا کہ "اچھا کیا تم نے میری پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔"[1]

محمد علی جناح نے اپنی فطرت آزاد کو کسی طرح کہیں بھی محدود و محصور نہیں ہونے دیا۔ کسی شعبۂ زندگی کی زنجیر بھی اگر ان کو جکڑ لیتی تو برعظیم کی تاریخ آج وہ نہ ہوتی جو ہے بلکہ شاید حریت و آزادی کی آرزو باشندگانِ برعظیم کو اب تک جھولے جھلا رہی ہوتی۔ صاف نظر آتا ہے کہ قدرت نے فرماں روائے انگلستان کے ہاتھوں سے برعظیم کی عنانِ حکمرانی چھین لینے کی کسک ان کے دل کو بخشی تھی۔

1900ء میں محمد علی جناح جب بمبئی پریسیڈنسی کے مجسٹریٹ ہوئے تو یہ ان کے والد جناح پونجاؒ کے لئے بڑی مسرت و سرخوشی کی بات تھی۔ وہ اب بیمار رہنے لگے تھے۔ ان کے قویٰ مضمحل ہو چکے تھے۔ کاروبار کے خاتمے سے اور بیوی کے انتقال سے ان کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ اس موقع پر انہوں نے اپنے فرزند کو ابھرتے دیکھا۔ سول ملٹری گزٹ میں جب بیٹے کے مجسٹریٹ ہو جانے کی خبر درج ہوئی تو بیٹے کے نام کے ساتھ ان کا اپنا تذکرہ بھی ہوا اور بڑے عزت و احترام سے ہوا[2] اور یہ بات ان کے لئے بڑی تقویت کا سبب ہوئی۔

رحمت بی کی شادی

محمد علی جناح اگرچہ گھرانے کی ذمہ داریوں سے پہلے بھی بے تعلق نہ تھے مگر اب ساری ذمہ داریاں تیزی سے ان کے سر آ رہی تھیں۔ جناح پونجاؒ کو اپنی بڑی بیٹی رحمت بی کی شادی کی فکر ہوئی تو محمد علی جناح نے اس کا بھی اہتمام کیا۔ رحمت بی کے لئے رشتہ کلکتے کے مشہور تاجر قاسم جمال کا آ چکا تھا۔ یہ سنی خوجہ تھے۔ جناح پونجاؒ کو یہ رشتہ پسند تو تھا لیکن ان کو اپنے سسرالی حلقے کی طرف سے اعتراض کا اندیشہ تھا۔

1- محمد علی جناح۔ اے پولیٹیکل سٹڈی۔ صفحہ 6
2- سول ملٹری گزٹ 10/ مئی 1900ء

اس کا فیصلہ بھی محمد علی جناح نے کیا کہ یہ رشتہ مناسب ہے' مبارک ہے' شادی یہیں ہوگی۔ چنانچہ رحمت بی کی شادی قاسم جمال ہی سے ہوئی۔[1] یہ ضرور ہوا کہ جناح پونجاؒ کے کچھ تعلقات جو اپنے سسرال والوں سے باقی تھے وہ بھی ختم ہو گئے۔

مریم بی کی شادی

جناح پونجاؒ کی طبیعت 1902ء میں زیادہ خراب رہنے لگی تو انہوں نے اپنی دوسری بیٹی مریم بی کی شادی بھی اپنی زندگی ہی میں کر دینی چاہی کہ یہ خوشی بھی دیکھ لیں اور جناح صاحب نے ان کی یہ خوشی بھی پوری کی۔ انہوں نے اس شادی کا اہتمام اس وقت کیا جب جناح پونجاؒ بستر پر گر چکے تھے۔ انہوں نے مریم بی کی شادی بمبئی کے مشہور تاجر عابدین پیر بھائی سے کر دی۔[2] یہ بھی سُنّی خوجہ تھے۔ یہ سارے فیصلے جناح صاحب نے کئے اور پوری توجہ سے یہ تمام تقریبات خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیں۔

جناح پونجاؒ کا انتقال

جناح پونجاؒ نے اپنے فرزند ارجمند کی سربلندی دیکھی۔ اپنی دو بیٹیوں کی خانہ آبادی کی مسرتیں حاصل کیں۔ سکونِ دل پایا اور 17/ اپریل 1902ء[3] کو رختِ سفر باندھ لیا۔ اس دنیا کو خیرباد کہی اور آخرت کی راہ لی۔ والد کے انتقال کے بعد جناح صاحب خوجہ محلّہ والے گھر سے اپنے سب بھائی بہنوں کو اپنے یہاں لے آئے۔[4] پھر چھوٹی بہن فاطمہ کو باندرہ کانوینٹ کے بورڈنگ میں داخل کیا۔[5] چھوٹے بھائی احمد علی کو انجمن اسلام ہائی اسکول کے بورڈنگ میں پہنچایا۔[6] اور دوسری بہن شیریں کو اپنے ساتھ رکھا اور ان کے رشتے کی طرف توجہ کی۔

شیریں بی کی شادی

سر کریم بھائی بیرونٹ کے گھرانے نے قاسم علی جعفر کا پیغام آیا تو اسے قبول کیا۔ شادی کی تقریبات کا انتظام کیا اور اس ذمہ داری کو بھی حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا۔[7]

1۔ محترمہ شیریں جناح کا بیان۔
2۔ محترمہ شیریں جناح کا بیان۔
3۔ محترمہ شیریں جناح کا بیان۔
4۔ محترمہ شیریں جناح کا بیان۔
5۔ محترمہ شیریں جناح کا بیان۔
6۔ محترمہ شیریں جناح کا بیان۔
7۔ محترمہ شیریں جناح کا بیان۔

اس زمانے میں محمد علی جناح نے "بینڈ اسٹینڈ" کے علاقے میں ایک کشادہ مکان لے لیا تھا اور وہیں رہتے تھے۔[1]

بینڈ اسٹینڈ سے کُلابہ

1905ء کے اواخر میں بیرسٹر جناح نے بینڈ اسٹینڈ والے مکان کو بھی چھوڑا اور وہاں سے اٹھ کر کلابہ کے ایک دو منزلہ مکان کی اوپری منزل میں منتقل ہو گئے۔[2] یہ علاقہ انہیں پسند تو نہیں تھا لیکن عارضی طور پر اسی کو غنیمت سمجھ کر یہاں اقامت اختیار کر لی تھی اور کسی اچھے علاقے اور اچھے مکان کی تلاش میں رہے۔ ان کی وکالت خاصی چمک چکی تھی۔ وہ اپنے ہم چشموں میں امتیاز حاصل کر چکے تھے۔ کلابہ کے جس مکان میں وہ تھے اس سے متصل ہی ایک خالی زمین پڑی تھی۔ اس دور کا ایک دلچسپ واقعہ محترمہ شیریں جناح یہ بیان کرتی ہیں کہ اس خالی زمین پر محلہ بھر کی تمام آیائیں شام کے وقت بچوں کو لے کر آ جاتی تھیں اور بچوں کو میدان میں چھوڑ کر خود ایک طرف بیٹھ جاتی تھیں اور دنیا بھر کی گپیں ہانکتی رہتی تھیں۔ بچے چیختے' دھاڑتے اور شور مچاتے رہتے تھے۔ یہ مڑ کے دیکھتی تک نہ تھیں۔ اپنے قصے کہانیوں میں لگی رہتی تھیں۔ یہی وقت تھا جب بھائی جان تھکے ماندے واپس آتے تھے اور آرام کرنا چاہتے تھے مگر اس شور وغل سے ان کو آرام کا موقع نہیں ملتا تھا۔ وہ بار بار ان آیاؤں کو ہدایت کرتے تھے کہ بچوں کو چپ کراؤ۔ وہ کچھ دیر بچوں کی طرف متوجہ تو ہو جاتی تھیں مگر پھر وہی سلسلہ باتوں کا شروع ہو جاتا تھا اور دوسری طرف بچوں کا رونا دھونا' ایک دوسرے کو نوچنا گھسوٹنا اور چیخم دھاڑ۔ بھائی جان اس سے بہت پریشان تھے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں۔ آخر ایک دن تنگ آ کر انہوں نے یہ کیا کہ بالٹیوں میں پانی بھرا اور کھڑکی سے نیچے پھینکنا شروع کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ یہ سب آیائیں کسی طرح یہاں سے بھاگیں اور بچوں کی طرف متوجہ ہوں۔

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

محمد علی جناح نئے بنگلے کی تلاش میں برابر رہے۔ آخر ان کو جسٹس راناڈے کا بنگلہ ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر مل گیا۔ انہوں نے فوراً اس کو کرائے پر لیا اور وہاں منتقل ہو گئے۔[3] یہاں پہنچ کر انہوں نے ایک بگھی بھی خریدی جو دو نشستوں والی تھی۔ ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ کا یہ علاقہ صاف ستھرا بھی تھا' پُرسکون بھی تھا اور بنگلہ بھی

1- محترمہ شیریں جناح کا بیان
2- محترمہ شیریں جناح کا بیان
3- محترمہ شیریں جناح کا بیان

اچھا تھا۔ یہاں رہ کر وہ اور زیادہ دلجمعی کے ساتھ اپنی بیرسٹری کے مشغلے میں مشغول رہے۔ مقدمات آتے رہے اور وہ اپنی قانون دانی کے جوہر دکھاتے رہے۔ اس کے علاوہ دوسرے سیاسی و سماجی' انفرادی و اجتماعی حوادث اور ان کے نشیب و فراز کا مشاہدہ عدالت کے اندر بھی کرتے رہے اور عدالت کے باہر بھی مختلف پارٹیوں اور تقریبوں اور اجتماعات میں شریک ہو کر زندگی کے گوناگوں مسائل کا مطالعہ کرتے رہے۔

اسلامی قوانین سے شغف

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کا فطری میلان شروع ہی سے اسلامی قوانین اور مسلمانوں کی قومی زندگی کے تقاضوں کی طرف تھا۔ لندن کے زمانہ قیام ہی میں ان کو وقف علی الاولاد کے اسلامی قانونی مسئلے سے دلچسپی پیدا ہو چکی تھی۔

وقف علی الاولاد اور بمبئی ہائی کورٹ

وقف علی الاولاد مسلمانوں کا ایک مسلّمہ قانون تھا لیکن 1873ء میں بمبئی ہائی کورٹ نے اس کے خلاف ایک فیصلہ صادر کیا[1] جس کی ضرب اسلامی قوانین پر پڑی اور مسلمانوں میں شدید اضطراب برپا ہوا۔ 1857ء کے بعد وہ زمانہ مسلمانوں کے لئے جیسا ہولناک تھا اس سے ہم سب باخبر ہیں۔ مسلمانوں کے لئے انگریزی حکومت یا انگریزی عدالت کے خلاف آواز بلند کرنا آسان نہیں تھا۔ مسلمانوں کی حیثیت انگریزوں کی نظر میں ایک باغی قوم کی تھی' اس لئے مسلمان بہت پھونک پھونک کے قدم رکھتے تھے۔ مگر انگریزوں کی حکومت یا عدالت کی طرف سے کوئی نہ کوئی کارروائی ایسی رہ رہ کر ہوتی رہتی تھی جس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے تھے۔ وہ ایسی کارروائیوں کے مقاصد و عزائم کو بھی خوب سمجھتے تھے لیکن حالات ناسازگار تھے۔ آخر 1878-82ء[2] کے دوران سرسید احمد خاںؒ نے بمبئی ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف احتجاجی تقریر کی۔ پھر جسٹس امیر علی نے خالص علمی و قانونی انداز سے اس پر تنقید کی اور مضامین لکھے' مگر سب سُنی اَن سُنی ہوتی رہی۔

پریوی کونسل کا فیصلہ

1894ء تک ہندوستان کی مختلف عدالتوں میں وقف علی الاولاد کے مسئلے پر مختلف فیصلے ہوتے رہے' یہاں تک کہ عدالتی فیصلوں کے تضاد کو بنیاد بنا کر اسے پریوی کونسل میں لے جایا گیا۔ پریوی کونسل میں

1- بمبئی ہائی کورٹ کا فیصلہ 1873ء
2- دی لائف اینڈ ورکس آف سرسید احمد خاں- از- جی ایف آئی گراہم- مطبوعہ: 1885ء صفحہ 202

جانے کا مطلب یہ تھا کہ اس کی بابت قولِ فیصل صادر کیا جائے۔ چنانچہ پریوی کونسل نے وقف علی الاولاد کے خلاف قولِ فیصل صادر کر دیا۔[1] پریوی کونسل کے اس فیصلے کے معنی یہ تھے کہ ہندوستان کی مختلف عدالتوں میں اس مسئلے پر جو مختلف و متضاد فیصلے صادر ہو رہے تھے صرف اسی تضاد کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ اصل مسئلے یعنی وقف علی الاولاد کے مُسلّمہ قانونِ اسلامی کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ گویا ضرب کاری تھی جو مسلمانوں کے قلب و جگر پر لگی۔ ان کی نظر میں یہ مداخلت فی الدین کا برملا اقدام تھا۔ محمڈن ایسوسی ایشن کلکتہ نے گورنمنٹ کی توجہ اس کی طرف مبذول کرائی۔ یادداشتیں بھیجیں، درخواستیں گزاریں، مسلمانوں کا نقطۂ نظر واضح کیا۔ سبھی کچھ کیا لیکن انگریزوں کی حکومت کو بہرصورت اپنی فرماں روائی کی زمین ہموار کرنی تھی اور صرف ایک دو صوبے یا ایک دو علاقے میں نہیں سارے برعظیم میں کرنی تھی۔ اور اپنے قوانین ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک رائج کرنے تھے جس کی کوشش وہ ایک مدت سے کر رہے تھے۔



1- پریوی کونسل لندن 1894ء

کانگریس کا پلیٹ فارم

1894ء سے 1906ء تک محمد علی جناح کے دل میں یہ مسئلہ کانٹے کی طرح چبھتا رہا۔ مگر ہندوستان میں مسلمانوں کی کوئی سیاسی انجمن موجود نہیں تھی، کوئی پلیٹ فارم نہیں تھا۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس موجود تو تھی لیکن وہ سیاسی نہیں تعلیمی تھی۔[1] اور اب ضرورت اس مسئلے کو سیاسی رخ دینے کی تھی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام اس وقت تک عمل میں نہیں آیا تھا۔[2] ہندوستان میں صرف ایک ہی سیاسی پلیٹ فارم کانگریس کا تھا[3] اور یہ پلیٹ فارم بھی وہ تھا جو خود انگریزوں نے قائم کیا تھا۔ 1906ء تک بلکہ 1908ء تک کانگریس کا کوئی طے شدہ آئین بھی نہیں تھا۔[4]

1906ء میں اعلان ہوا کہ امسال کانگریس کا بائیسواں اجلاس (مسلم اکثریت کے صوبے) بنگال میں بمقام کلکتہ منعقد ہوگا۔ کلکتے کی اہمیت یہ بھی تھی کہ وہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کی راجدھانی تھا۔ محمد علی جناح نے اس عظیم الشان شہر میں اس پلیٹ فارم کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ بیرسٹر تھے، ماہر قانون تھے اور اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کا اچھی طرح جائزہ لے رکھا تھا بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہر پہلو سے تیار تھے۔ فطرۃً انہوں نے خان بہادر مولوی محمد یوسف وکیل ہائی کورٹ کلکتہ سے بھی رابطہ قائم کیا جو حکومت تک مختلف انداز سے اپنی آواز پہنچا چکے تھے۔ ان سے یہ بھی طے ہوا کہ وقف علی الاولاد کے مسئلے پر ایک قرارداد اجلاس کانگریس میں پیش کروائی جائے۔ قرینہ غالب ہے کہ محمڈن ایسوسی ایشن کلکتہ کے اراکین نے اس سلسلے میں غیر معمولی دوڑ دھوپ کی۔ آخر یہ طے ہو گیا کہ کانگریس کے پلیٹ فارم سے ایک قرارداد پیش ہوگی۔

مولوی محمد یوسف کی تحریک

اجلاس ہوا اور خان بہادر مولوی محمد یوسف نے قرارداد پیش کی۔ وہ جب قرارداد پیش کرنے کے لئے

1- محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس 1886ء میں قائم ہوئی۔
2- آل انڈیا مسلم لیگ 30/ دسمبر 1906ء میں قائم ہوئی۔
3- کانگریس 1885ء میں قائم ہوئی۔
4- سی بمبے نیشنل یونین ایر بک اینڈ ڈائری 1918ء۔ از۔ ڈاکٹر ڈی ڈی ساٹھے۔

پلیٹ فارم پر آئے تو مجمع کی طرف سے بڑے جوش کا اظہار ہوا۔ دیر تک تالیاں گونجتی رہیں۔ انہوں نے اپنی تقریر کی ابتدا میں حب الوطنی کی گفتگو کی۔ پھر کہا کہ اب ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات ختم ہو چکے ہیں۔ اصلاحات پسند ہندوؤں نے کبھی ایسے امتیاز یا حقِ خاص کا دعویٰ نہیں کیا جس میں وہ اپنے ہم وطن مسلمانوں کو بھی حصہ دار بنانے پر آمادہ نہ ہوں۔ اور یہ بھی کہا کہ دیکھ لیجئے اس اجتماع میں مسلمان ڈیلی گیٹ کتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ یہ سب کچھ کہنے کے بعد انہوں نے اپنی قرارداد پیش کی لیکن قانون اوقاف کے فنی پہلوؤں کو زیر بحث لانے سے احتراز کیا۔[1]

قرارداد وقف علی الاولاد

قرارداد یہ تھی:-

"مسلمانوں کی رائے عامہ وقف علی الاولاد کے جواز کے خلاف پریوی کونسل کے حالیہ فیصلے کو قانونِ اسلامی کے خلاف قرار دیتی ہے' لہٰذا کانگریس کی رائے یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے ایک کمیشن مقرر ہونا چاہیے جو اس بات کی تحقیقات کرے کہ پریوی کونسل نے یہ فیصلہ صادر کرکے اس قانون اور مسلم قوم کے جذبات کے خلاف غلطی تو نہیں کی؟ اگر یہ پایا جائے کہ فیصلہ غلط تھا تو کانگرس زور دیتی ہے کہ صحیح نقطۂ نظر کی قانونی حیثیت بحال کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔"[2]

بی این سین کی تائید

یہ قرارداد بہت سنبھلی ہوئی زبان میں پیش کی گئی۔ کانگرس کی روایت یہی تھی اور یہ اہتمام بھی پہلے ہی ہو چکا تھا کہ قرارداد کی حمایت کسی ہندو ممبر کی طرف سے بھی ہوگی۔ چنانچہ کانگرس کے پرانے اور مقبول ممبر مسٹر بیکنٹھا ناتھ سین نے اس کی تائید میں تقریر کی اور کہا کہ "پریوی کونسل کے انقلابی فیصلے سے مسلمانوں کو جو شکایت پیدا ہوئی ہے اس میں مجھے ان سے پوری ہمدردی ہے۔ میں اس قرارداد کی حمایت ایک ہندو کی حیثیت سے بھی کرتا ہوں اور ایک وکیل کی حیثیت سے بھی۔"[3]

1- روزنامہ اسٹار آف انڈیا کلکتہ کا ایک خط ایم ایچ سید کے نام۔ مورخہ 14/ ستمبر 1943ء سے منسلک اصل روداد کی نقل ہے۔

2- انڈین نیشنل کانگرس کی قراردادیں۔ حصہ 3۔ صفحہ 162

3- صفحہ 148 کا حوالہ نمبر1

دادا بھائی نوروجی

کانگرس کے اس اجلاس کے صدر مشہور پارسی رہنما دادا بھائی نوروجی تھے۔ یہ وہی دادا بھائی نوروجی ہیں جن کے متعلق مختلف مصنفین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ محمد علی جناح 1906ء میں ان کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ اور عجیب بات ہے کہ 1906ء ہی کے ضمن میں اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے بلکہ جب دسمبر 1906ء کے اجلاس کانگرس کا ذکر آتا ہے تو بیرسٹر جناح کے متعلق دادا بھائی نوروجی کے پرائیویٹ سیکرٹری ہونے کا بھی ذکر ساتھ ہی آتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ جاننا چاہے کہ دسمبر 1906ء سے پہلے نہ سہی کہ اس سے پہلے وہ سیکرٹری نہ ہوئے ہوں تو دسمبر 1906ء کے بعد ہی سہی کہیں اس کا تذکرہ تو ملے۔ آخر وہ کچھ عرصہ تو پرائیویٹ سیکرٹری ضرور رہے ہوں گے مگر کچھ پتہ نہیں ملے گا۔

دادا بھائی نوروجی کی شخصیت بہت بڑی تھی۔ وہ برعظیم میں بھی محترم تھے اور انگلستان میں بھی ان کی عزت تھی۔ انگریزی زبان میں ان کے لئے "گرینڈ اولڈ مین آف انڈیا" کا لقب استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ لقب ان کی ذات سے اتنا وابستہ ہے کہ جب بھی کہیں استعمال کیا گیا انہی کی شخصیت سمجھی گئی۔ ان کا پرائیویٹ سیکرٹری ہونا بڑے فخر کی بات تھی۔ کوئی بھی ہوتا اس کے لئے بڑی عزت کی بات ہوتی۔ نوجوان بیرسٹر محمد علی جناح کے لئے بھی یہ اعزاز ہوتا کہ وہ "گرینڈ اولڈ مین آف انڈیا" کے پرائیویٹ سیکرٹری رہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا تذکرہ نہ تو دادا بھائی نوروجی کی خودنوشت میں نظر آتا ہے نہ دادا بھائی نوروجی کی سوانح عمری لکھنے والوں نے کہیں اشارہ کیا ہے۔ ممکن ہے کسی اجلاس میں جب دادا بھائی نوروجی اس کے صدر رہوں تو وہاں محمد علی جناح نے ان کی اعانت کی ہو' کچھ کاغذات فراہم کئے ہوں' کچھ نوٹ لئے ہوں' کچھ سرگوشیاں کرتے رہے ہوں۔ اور اسی سے دیکھنے والوں نے یہ تاثر لیا ہو کہ وہ سیکرٹری ہیں یا پرائیویٹ سیکرٹری ہیں۔

بیرسٹر جناح کی روزافزوں مصروفیت

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ 1902ء میں جب اورینٹ کلب بمبئی کی طرف سے پارٹی دی گئی اور سر چارلس آلیونٹ اس میں آئے اور بیرسٹر جناح کو دیکھا تو ان سے پوچھا کہ تمہاری وکالت کا کیا حال ہے اور بیرسٹر جناح نے ان کو یہ جواب دیا تھا کہ "اب میری آمدنی دو ہزار ماہانہ سے زیادہ ہے۔" ظاہر ہے کہ مزید چار سال گزر جانے پر ان کی آمدنی میں اور اضافہ ہی ہوا ہوگا کیونکہ ان کی مقبولیت تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ ان کو اپنے مشاغل و مقدمات سے اتنی فرصت کہاں مل سکتی تھی کہ وہ کوئی اور مشغلہ اختیار کرتے۔ فیروز شاہ مہتہ جیسے بڑے ملکی لیڈر اور بیرسٹر کے انتخابی مقدمے کی پیروی بھی انہی کے سپرد تھی۔[1] پھر لوکمانیہ بال گنگا دھر تلک پر

1- یہ مقدمہ 1907ء میں ہوا۔

مقدمہ قائم ہوا تو اس کی پیروی بھی ان کو سونپی گئی۔ اس سے محمد علی جناح کی مصروفیت کا ایک نقشہ سامنے آتا ہے۔ پھر ایسا شخص 1906ء میں کسی کا پرائیویٹ سیکرٹری کیونکر ہو سکتا تھا۔ یہ کہانی بھی غالباً اسی سلسلے کی ایک ٹوٹی ہوئی کڑی ہے جس میں محمد علی جناح کو دادا بھائی نوروجی کی پارلیمانی انتخابی مہم میں سرگرمی سے حصہ لیتے اور برطانوی پارلیمنٹ کی گیلری میں بیٹھ کر نو منتخب ہندوستانی رکن پارلیمان کی تقریر سنتے دکھایا گیا تھا۔

قرینِ قیاس صرف یہ ہے کہ لندن میں جب دادا بھائی نوروجی ہندوستانی طلبہ کی کسی انجمن کے صدر رہے تو اس وقت نوجوان محمد علی جناح اس انجمن کے سیکرٹری منتخب ہوئے ہوں گے۔ اگرچہ یہ بھی تحقیق طلب ہے کہ ایسی کسی انجمن کے سیکرٹری محمد علی جناح کبھی تھے بھی یا نہیں۔



سیاستدانوں کی صفِ اوّل میں

1906ء میں کانگریس کا وہ اجلاس جو کلکتے میں منعقد ہوا اس کے صدر دادا بھائی نوروجی تھے اور کانگرس کے جنرل سیکرٹری مسٹر ایلن اکیٹوین ہیوم تھے جنہوں نے 1885ء میں کانگرس قائم کی تھی اور جب سے برابر اس کے کلیدی عہدے پر فائز چلے آتے تھے۔ کانگرس کے جوائنٹ سیکرٹری گوپال کرشنا گوکھلے اور ڈی ای واچہ موجود تھے۔ کانگریس کے اس اجلاس میں وقف علی الاولاد کے اسلامی قانون کی قرارداد' پریوی کونسل کے فیصلے کے خلاف پیش کرنے کے لئے مسلمانوں کو بڑے جتن کرنے پڑے تھے۔ خان بہادر مولوی محمد یوسف وکیل کی تحریک اور مسٹر بی این سین کی تائید کے بعد بیرسٹر محمد علی جناح اٹھے اور تقریر کی۔ وہ اس انجمن اور اجلاس کے رہنماؤں میں سب سے کم عمر تھے۔ ان کی عمر ٹھیک تیس سال کی تھی اور ان کی عمر کے اکتیسویں سال کا پہلا ہی دن تھا جب اس اجلاس کا ہال جگمگایا تھا۔ محمد علی جناح اس دور کے عمر رسیدہ و جہاندیدہ اور منجھے ہوئے سیاستدانوں کی صف میں پہلی مرتبہ دیکھے گئے اور ان کی شان و شوکت اور ذہنی و فکری امتیاز کے پہلو اسی پلیٹ فارم پر اول اول نمایاں ہوئے اور خوب نمایاں ہوئے۔ یہ بات پہلے ہی سے طے تھی کہ قرارداد پیش ہوگی پھر اس کی تائید ہوگی اس کے بعد بیرسٹر جناح اس پر تفصیلی تقریر کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے "وقف علی الاولاد" کی تاریخ پر' اس کے قانونی نکات پر اور اس کے فنی پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی جس کے لئے وہ سالہا سال سے تیاریاں کئے بیٹھے تھے۔ سروجنی نائیڈو نے لکھا ہے کہ 1906ء کے اجلاس کانگرس میں جو تقریر انہوں نے کی تھی وہ ان کی پہلی پبلک اسپیچ تھی۔[1] اور کانگرس کا یہ اجلاس بھی پہلا تھا جس میں بیس ہزار سے زیادہ نمائندوں کا اجتماع ہوا تھا' ورنہ اس سے پہلے چار پانچ ہزار سے زیادہ کبھی جمع نہیں ہوئے تھے۔[2] صرف ایک مرتبہ 1890ء میں اسی کلکتہ میں سات ہزار کا اجتماع ہوا تھا۔

قومی تعلیم کی قرارداد

اسی اجلاس میں ایک قرارداد "قومی تعلیم" کے سلسلے میں بھی یہ پیش ہوئی تھی کہ:۔

1- محمد علی جناح' این ا - ایمبیسڈر آف یونٹی

2- دی بمبے نیشنل یونین ایر بک اینڈ ڈائری 1918ء۔ صفحہ 224۔

"کانگرس کی رائے میں وقت آگیا ہے کہ قومی تعلیم کا مسئلہ پورے ملکی پیمانے پر مخلصانہ طور سے اٹھایا جائے' لڑکوں کے لئے بھی اور لڑکیوں کے لئے بھی اور ادبی' سائنسی اور فنی تعلیم کا ایک ایسا نظام مرتب کیا جائے جو ملکی ضروریات کے مطابق ہو' قومی خطوط پر اور قومی کنٹرول میں ہو۔ کانگرس کی رائے میں وقت اس کا بھی آگیا ہے کہ سارے ملک میں ابتدائی تعلیم کو مفت اور لازمی قرار دینے کی ابتدا کی جائے۔ کانگرس کی رائے میں حکومت کو اس سلسلے میں جلد قدم اٹھانا چاہیے۔ نیز ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے اور بڑی رقم مہیا کی جائے اور تعلیمی لحاظ سے پسماندہ طبقات کے حقوق کا تحفظ کیا جائے اور ان کو تعلیم دینے کی ضرورت ہو تو ان کی خصوصی حوصلہ افزائی کا اہتمام بھی کیا جائے۔"[1]

بیرسٹر جناح کا احتجاج

بیرسٹر محمد علی جناح نے قومی تعلیم کی اس قرارداد پر بھی تقریر کی بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ احتجاجاً" ترمیم پیش کی۔ انہوں نے کہا کہ "قرارداد میں یہ عبارت درج کی گئی ہے کہ "تعلیمی لحاظ سے پسماندہ طبقات کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔" یہ صحیح ہے کہ مسلمان تعلیم میں پیچھے ہیں لیکن یہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ وہ پسماندہ طبقہ ہیں۔ ان کے معاملے میں بھی طرز عمل وہی ہونا چاہیے جو دوسرے طبقات کے معاملے میں ہوتا ہے۔ یہ تمام طبقات (ہندو اور مسلمان) ایک دوسرے کے مساوی ہیں لہٰذا مذکورہ بالا جملہ اس قرارداد سے خارج کیا جائے۔"[2]

لیکن یہ جملہ خارج نہیں کیا گیا۔

حکومتِ خود اختیاری کی قرارداد

مسز اینی بیسنٹ نے لکھا ہے کہ اسی اجلاس میں "حکومتِ خود اختیاری" کی قرارداد بھی پیش ہوئی تھی اور بیرسٹر جناح نے اس پر بھی تقریر کی تھی۔"[3] حکومتِ خود اختیاری کی قرارداد یہ تھی:-

"کانگرس کی رائے ہے کہ حکمرانی کا ایسا سسٹم ہندوستان کو دیا جائے کہ وہ برطانوی مقبوضات کے جیسی حکومتِ خود اختیاری حاصل کرلے اور یہ کہ اس منزل تک پہنچنے کے لئے

1- دی بمبیے نیشنل یونین ایر بک اینڈ ڈائری 1918ء۔ صفحہ 102۔
2- صفحہ 148 کا حوالہ نمبر 1۔
3- ہاؤ انڈیا راٹ فار فریڈم۔ از۔ اینی بیسنٹ صفحہ 459۔

کانگرس اصرار کرتی ہے کہ حسب ذیل اصلاحات فوراً نافذ کی جائیں:-

(الف) وہ تمام امتحانات جو صرف انگلستان میں ہوتے ہیں وہ ہندوستان میں بھی ساتھ ساتھ جاری کئے جائیں اور اعلیٰ تقرریاں جو ہندوستان میں کی جاتی ہیں وہ صرف مسابقتی امتحانات کے ذریعے ہوں۔

(ب) وزیر ہند کی کونسل میں نیز وائسرائے کی اور بمبئی و مدراس کے گورنروں کی ایگزیکٹو کونسلوں میں ہندوستانیوں کی مناسب نمائندگی ہو۔

(ج) سپریم لیجسلیٹو کونسل اور صوبائی لیجسلیٹو کونسلوں کی توسیع کی جائے اور ان میں زیادہ بڑی اور صحیح معنوں میں مؤثر قومی نمائندگی کی اجازت دی جائے اور ملک کی انتظامیہ کی مالیات اور ایگزیکٹو پر زیادہ کنٹرول حاصل ہو۔

(د) لوکل باڈیز اور میونسپل باڈیز کے اختیارات میں توسیع کی جائے اور ان پر جو سرکاری کنٹرول ہے وہ اس سے زیادہ نہ ہو جو انگلستان میں لوکل گورنمنٹ بورڈ کو اسی قسم کی باڈیز پر حاصل ہے۔"[1]

تین اہم تقریریں

بیرسٹر جناح کو "برطانوی مقبوضات جیسی حکومتِ خود اختیاری" کا فقرہ بھی پسند نہیں تھا' لیکن کانگرس کے ارکان اس کی تبدیلی کے لئے یا اس کو حذف کرنے کے لئے اس وقت آمادہ نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر 1912ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں بیرسٹر جناح کو کھلی فضا میسر آئی تو وہاں اس فقرے پر اظہارِ خیال نہ صرف یہ کہ پوری قوت سے انہوں نے کیا بلکہ خالص مسلمانوں کے اجتماع میں حقیقی جذبات کی ترجمانی کی اور اپنی قوم کو ایسے فقروں سے پرہیز کی راہ دکھائی اور سب سے اپنی بات منوائی' جہاں ان کے ہم نام مولانا محمد علی جوہر نے مؤثر ترین تقریر ان کی حمایت میں کی اور پھر یہ ہوا کہ اس کے بعد یہ دونوں رہنما اپنی ملت کو بڑی تیزی سے آگے بڑھا لے گئے۔

بیرسٹر جناح نے 1906ء کے اجلاس کانگرس میں ایک ہی نہیں تین قراردادوں پر تقریریں کیں۔ "وقف علی الاولاد" کے اسلامی قانون پر' برعظیم کی "قومی تعلیم" پر اور "حکومت خود اختیاری" پر۔ یہ تینوں مسائل بے حد اہم تھے۔ پھر ان کا انداز خطیبانہ' قانونی نکتہ رسی' دستوری مہارت' دور اندیشی اور بلند نظری' جس کا اظہار پوری قوت سے ہو اور سارے برعظیم میں ان کی آواز گونج اٹھی۔



1- دی بمبیے نیشنل یونین ایر بک اینڈ ڈائری 1918ء۔ صفحہ 111، 112۔